تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

34

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

6 تا 12 صفر المظفر 1443ھ / 14 تا 20 ستمبر 2021ء

باطل نظام ہائے زندگی اور اخلاقی بگاڑ

یہ ایک عملی حقیقت ہے کہ ہمیشہ اس کرۂ ارض پر ایسی قوتیں رہی ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی اس دنیا میں قدم نہ جما سکے۔ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر غیر اسلامی نظام ہیں ان کے کچھ مفادات و امتیازات ہوتے ہیں۔ یہ نظام بعض کھوٹی اور جھوٹی قدروں پر قائم ہوتے ہیں۔ جب بھی دنیا میں اسلامی نظام قائم ہوتا ہے ایسی قوتوں کے مفادات ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ باطل نظام ہائے زندگی انسانی نفوس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انسانوں کو انسانی سطح سے نیچے گرا کر' ان کے اندر اخلاقی بگاڑ پیدا کر کے' اور ان کو حقیقت سے جاہل رکھ کر اسلامی نظام کی مخالفت میں لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ یوں عوام الناس اپنی جہالت کی وجہ سے اسلام کی راہ روکنے لگتے ہیں۔ چنانچہ شر کا زور ہوتا ہے اور باطل پھولا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور شیطان کی چالیں بہت گہری ہوتی ہیں۔ اندریں حالات قرآن حاملین ایمان اور اسلامی منہاج حیات کے علمبرداروں کے لیے اعلیٰ اخلاقی معیار تجویز کرتا ہے تاکہ وہ شر اور شیطان کے ایجنٹوں سے اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ ان کی اخلاقی حالت مضبوط ہو' وہ دشمنوں کے خلاف لڑ سکیں اور ہر وقت ایسی جنگ کے لیے تیار ہوں جو ان پر اسلام کے دشمن مسلط کر دیں۔ یہی ایک ضمانت ہے جس کی وجہ سے دعوت اسلامی کی راہ نہیں رکتی' اور اسلامی نظام قائم ہوتا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن
سید قطب شہید ؒ

اس شمارے میں

نظریاتی سراب؟

اخلاقی و معاشرتی بگاڑ کا انجام

نفاذِ اسلام پاکستان میں؟

سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خوفِ خدا

Kashmiris on the Verge of Being Swamped....

الھدیٰ (952)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جھوٹے معبودوں کا جواب

سُوْرَةُ الْفُرْقَان | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیت : 18

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

آیت: ۱۸ ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ ”وہ کہیں گے: تُو پاک ہے' ہمارے لیے تو یہ روا ہی نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا ولی بناتے“

اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے درمیان ولایت باہمی کا مضبوط رشتہ قائم ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہل ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ میں اس رشتے کا ذکر یوں فرمایا گیا: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ﴾ ”اللہ ولی ہے مؤمنین کا' وہ انہیں اندھیروں سے نکالتا ہے نور کی طرف“۔ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ”آگاہ رہو! یقیناً جو اللہ کے ولی ہیں نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے“۔ چنانچہ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو ضرور اپنے بندوں کے ساتھ ولایت کا رشتہ قائم کیے ہوتے' لیکن وہ تو پوچھنے پر صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا ولی تو اللہ ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ ولایت کا رشتہ کیسے استوار کر سکتے تھے!

﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ ”لیکن (اے پروردگار!) تُو نے انہیں اور ان کے آباء واجداد کو دنیا کا ساز وسامان دیا“

ان کو دنیا میں مال و دولت اور حیثیت و وجاہت سے بہرہ مند کیا اور پشت در پشت خوشحالی اور فارغ البالی عطا کیے رکھی۔

﴿حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾﴾ ”یہاں تک کہ وہ یاددہانی کو بھول گئے۔ اور یہ تباہ ہونے والے لوگ تھے۔“

فرمان نبویؐ

حلال روزی کمانا فرائض میں سے ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ))

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔“

تشریح: اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان وفرائض ہیں۔ ان کی ادائیگی پر بندہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ البتہ درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ اور اس میں مشغول ہونا عین عبادت اور موجب ثواب ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
6 تا 12 صفر المظفر 1443ھ جلد 30
14 تا 20 ستمبر 2021ء شمارہ 34
مدیر مسئول حافظ عاکف سعید
مدیر ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظریاتی سراب؟

ندائے خلافت کا اداریہ تحریر کرتے ہوئے ہم نے شاذ ہی کبھی طنزیہ اور مزاحیہ انداز اختیار کیا ہو لیکن صبر و برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آموختہ بلکہ سوختہ قسم کے سیکولرز اپنی تمام تر دانشورانہ صلاحیتوں کے باوجود گدھے کے سر پر سینگ تو نہیں ڈھونڈ سکے لیکن اب انھوں نے اپنے نیم مذہبی نیم سیکولرز سہولت کاروں کو اس کام پر لگا دیا ہے کہ اس بات پر غور و غوص کرو کہ چمگادڑ روزِ روشن میں دیکھ سکتی ہے یا نہیں حالانکہ دروں بینی سے ان کا مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا تھا۔ ہم نے یہ فلسفہ احمد اعجاز کی کتاب پر خورشید ندیم کا تبصرہ پڑھ کر جھاڑا ہے، اس لیے کہ اَن پڑھوں کے پاس جھاڑ جھنکار کرنے کے سوا ہوتا کیا ہے۔ احمد اعجاز کی پہلی کتاب ''شناخت کا بحران'' تھی اور اب انھوں نے ایک کتاب ''پاکستانی ریاست کا نظریاتی سراب'' سپردِ قلم کی ہے۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے خورشید ندیم رقم طراز ہیں کہ احمد اعجاز ابھی تک نہیں جان سکے کہ پاکستان مسلم اشرافیہ کے مفادات کا تقاضا تھا یا مسلمان اپنی تہذیبی شناخت کے لیے الگ وطن حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس پر ہمیں نوشہ کا یہ شعر یاد آ رہا ہے ؎

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہوتے تک

خورشید ندیم کے بقول: ''احمد اعجاز ان چند لکھنے والوں میں سے ہیں جو پاکستان کے قیام کو وسیع تر سماجی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اتنا سادہ تاریخی عمل نہیں ہے جس طرح بیان کیا جاتا ہے۔'' حیرت اس بات پر ہے کہ پھر احمد اعجاز خود انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے قیام پاکستان کو شناخت کے بحران کا نتیجہ قرار دے دیتے ہیں۔

ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ قیام پاکستان کا محرک یعنی اس کے قیام کی بنیاد صرف اور صرف مذہب تھا دوسری کوئی وجہ یا بنیاد سرے سے تھی ہی نہیں، لیکن دن کے اجالے میں ہی نہیں رات کی تاریکی میں بھی ہر غیر متعصب، غیر جانبدار غور و فکر کرنے والے شخص کے سامنے یہ تاریخی حقیقت آئے گی کہ برصغیر کے مسلمان کو اگرچہ معاشی اور سماجی مسائل بھی درپیش آئے تھے لیکن تقسیم کا اصل سبب دو قومی نظریہ تھا۔ یہ دو قومی نظریہ ہندوستان کے ریلوے سٹیشنوں پر بھی دکھائی دے دیتا تھا جب ایک آواز لگتی تھی: ''ہندو پانی'' اور دوسری آواز لگتی تھی ''مسلمان پانی'' ہماری رائے میں قیام پاکستان کی مذہب کے علاوہ وجوہات وہ معاشی ہوں یا سماجی وہ بھی بالآخر مذہب سے جڑ جاتی ہیں۔ مثلاً یوں کہ 1937ء کے انتخابات میں کانگریس کامیاب ہوئی اور مسلم لیگ ناکام ہوئی۔ کانگریس نے ہندوستان کے تمام گیارہ صوبوں میں حکومتیں بنائیں اور مسلمانوں پر معاش تنگ کر دی۔ انھیں تجارت نہیں کرنے دیتے تھے۔ انھیں ملازمتیں نہیں دیتے تھے جس سے بالآخر عام مسلمان کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے 1946ء

کے انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ دیا۔ ہمارے سیکولر بھائی کہتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ پاکستان کے قیام کی وجوہات معاشی تھیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ ظلم، یہ زیادتی کس بنیاد پر کسی نے کس کے ساتھ کی۔ ظاہر ہے مذہب کی بنیاد پر ہندو نے مسلمان سے کی تو بنیادی وجہ مذہب ہی بنی۔ پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الا اللہ کے بارے میں یہ عناصر کہتے ہیں کہ یہ نعرہ کبھی مسلم لیگ کے سٹیج سے سرکاری طور پر لگا ہی نہیں تھا۔ چلیے مان لیتے ہیں لیکن ’’مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ‘‘ یہ نعرہ تو مسلم لیگ کا سرکاری نعرہ تھا یا نہیں پھر نظریہ پاکستان اسلام کیوں نہیں تھا؟ اور یہ بھی سن لیجیے کہ پاکستان کا مطلب کیا والا نعرہ اگر غیر سرکاری ہی تھا اور مسلم لیگ نے اس کو own نہیں کیا تھا، تب بھی آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا اس غیر سرکاری نعرے نے مسلمانانِ ہند میں جو جوش و جذبہ اور ولولہ پیدا کیا وہ یہ نعرہ لگنے سے پہلے تھا؟ یہی وہ نعرہ تھا جس نے کانگرسی لیڈروں کو پسپا کر دیا تھا اور انہیں بادل ناخواستہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔

نظریہ پاکستان کے حوالے سے فکری انتشار اور ابہام اس لیے بھی پیدا ہوگیا ہے کہ اکثریت نے اسلام کو صرف مذہب سمجھ لیا ہے حالانکہ اسلام ایک دین ہے جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یعنی اسلام انسان کے صرف انفرادی معاملات پر بحث نہیں کرتا بلکہ اسلام انسانی زندگی کے اجتماعی گوشوں میں بھی اللہ کے قانون کے نفاذ کا تقاضا کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہماری عدالتوں میں بھی شرعی قوانین نافذ ہوں، پارلیمنٹ میں فیصلے بھی اسلام کی روشنی میں ہوں۔ ہماری معاشرت بھی اسلامی بنیادوں پر قائم ہو، ہماری سیاست بھی اسلامی ہو اور ہماری معیشت بھی اسلامی ہو، ہمارے سماج کا ڈھانچہ بھی اسلامی اصولوں پر کھڑا کیا جائے۔ ہم اِس بات کا اعادہ کیے دیتے ہیں کہ احمد اعجاز جیسے لوگوں کے ذہنوں میں فکری انتشار اور خلفشار اسی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے کہ وہ اسلام کو فرد کا انفرادی معاملہ سمجھتے ہیں اور سماج، سیاست اور معیشت کو اسلام سے الگ چیز سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ایسے لوگ ’’مذہب کو سماجی وسیاسی شناخت کے عمل میں فیصلہ کن عامل کے طور پر قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔‘‘

دین کو سماج سے الگ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ ایسے لوگ اِس قسم کی باتیں پھیلاتے ہیں کہ قراردادِ مقاصد کے بعد گاڑی پٹڑی سے اتر گئی۔ سوال یہ ہے کہ کیا قراردادِ مقاصد کے مندرجات پر عمل درآمد ایک دن کے لیے بھی ہوا؟ کیا کبھی بھی پاکستان کے آئین اور قوانین صحیح اور حقیقی معنوں میں اسلامی رہے؟ کیا کبھی پاکستان میں اسلام عملی طور پر نافذ ہوا؟ سوال یہ ہے کہ گاڑی پٹڑی پر چڑھی ہی کب تھی کہ اُتر گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا مسلمانوں کے اسی خواب کی طرف پہلا قدم تھا جو پاکستان کا مطلب کیا: لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد پر مسلمانوں نے دیکھا تھا۔

خدارا سوچیے! بنگالیوں اور پختونوں میں کوئی ایک قدر بھی مشترک تھی؟ زبان مختلف، بودوباش مختلف، لباس مختلف، رسم و رواج مختلف، گویا ازسرتاپا مختلف لیکن مذہب نے انہیں ایک قوم میں پرُو دیا۔ حالانکہ سرحدی گاندھی عبدالغفار خان نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ صوبہ سرحد کو پاکستان سے الگ رکھا جائے، وہ وہاں کے پاپولر لیڈر تھے۔ لیکن ریفرنڈم میں اُس علاقہ کے عوام نے اُن کی ایک نہ سنی اور نظریہ کی بنیاد پر پاکستان کو ووٹ دیا۔ اُنہوں نے درحقیقت نظریۂ پاکستان کو ووٹ دیا۔ اُنہوں نے اسلام کو ووٹ دیا۔ لہٰذا پندرہ سو کلومیٹر کے فاصلے اور اِن تمام سیاسی، سماجی تفاوت کے باوجود مذہب نے اُنہیں جوڑ دیا۔ لیکن جب ربع صدی گزرنے کے باوجود ہم نے اس نظریہ کو عملی تعبیر نہ دی، نظریہ کاغذوں اور قراردادوں میں سوکھتا رہا۔ تب بالآخر وہ سیمنٹ یعنی اسلام جس نے عوام کو جوڑا ہوا تھا بیچ میں سے نکل گیا تو ملک دولخت ہوگیا۔ کیا 1971ء کے سانحہ کے بعد سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت تھی کہ کس شے نے 1947ء میں ہمیں جوڑا تھا اور 1971ء میں ہم کیوں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے۔

ہمارے سیکولر اور اُن کے سہولت کار اصرار کرتے ہیں کہ اِس قوم کا فکری انتشار، پاکستان کو قراردادِ مقاصد کے ذریعے مذہبی شناخت دینے سے پیدا ہوا۔ ایسے لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ صرف قراردادِ مقاصد پاس ہونے سے نظریۂ پاکستان کو عملی تعبیر نہیں مل سکتی تھی، کیونکہ اسلام تو کبھی عملاً نافذ ہوا ہی نہیں۔ گویا جس بنیاد پر یہ قوم بنی تھی وہ بنیاد ہی ختم کر دی گئی (یعنی اسلام عملی طور پر نافذ نہیں ہوا) تو ظاہر ہے عمارت غیر مستحکم ہوگئی اور نظریاتی انتشار پیدا ہوا، نسلی اور علاقائی تعصبات بھی پیدا ہوئے، سماجی اونچ نیچ بھی ختم نہ ہوسکی اور ملک مسائل کی آماجگاہ بن گیا۔

ستم ظریفی دیکھیے کہ پاکستان کی نظریاتی اساس کو سمجھنے میں ہمارے محققین اور دانشوروں کے مقابلے میں ایرانی مفکر ڈاکٹر علی شریعتی پاکستان کی معنویت اور مقصدیت کا کس قدر واضح شعور رکھتے تھے کہ ڈاکٹر شریعتی اسے علامہ اقبال کا منتہائے مقصود قرار دے کر تصورِ پاکستان کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

’’اقبال کی خواہش تھی کہ پاکستان بیسویں صدی میں اسلام کا ایک عظیم اور نیا ترجمان بنے اور اس اعتبار سے پاکستان صرف مسلمانوں یا مشرق ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عالم بشریت کی ضرورت ہے۔ وہ عالم بشریت جس کا نصف حصہ مشرق میں پلا بڑھا تھا اور (باقی صفحہ 7 پر)

اخلاقی و معاشرتی بگاڑ کا انجام

(سورہ القمر کی آیات 33 تا 40 کی روشنی میں)

جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کے 27 اگست 2021ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

قرآن مجید کے سلسلہ وار مطالعہ کے ضمن میں آج ہم ان شاء اللہ سورۃ القمر کی آیات کا مطالعہ کریں گے۔ ان آیات میں قوم لوط کا تذکرہ ہے۔ اس قوم میں پہلے شرک کی بیماری پیدا ہوئی اور پھر گناہ میں آگے بڑھتے بڑھتے یہ قوم اس حد تک گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہوئی کہ ہم جنس پرستی جیسے گھناؤنے جرم میں ملوث ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر شدید ترین عذاب نازل کیے۔ مکی سورتوں میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے تاہم یہاں اس کا مختصراً ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝۳۳﴾ ''لوطؑ کی قوم نے بھی خبردار کرنے والوں کو جھٹلایا۔''

پچھلی نشست میں ہم نے یہ اصول سمجھا تھا کہ اگر کوئی قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں سے کسی ایک مسلمہ بات یا عقیدے یا حکم کا انکار کردے تو وہ دین سے ہی خارج ہوجائے گا کیونکہ ایک حکم کا انکار سارے کے سارے احکامات کے انکار کے مترادف ہوگا۔ اسی طرح ایک رسول کا جھٹلایا جانا سارے ہی رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ لہٰذا کسی ایک رسول کا انکار اللہ تعالیٰ کے اس اختیار کا انکار ہے جس کو استعمال کرکے اللہ سبحانہ وتعالیٰ رسولوں کو بھیجتا ہے۔ آگے ارشاد ہوا:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝۳۴﴾ ''ہم نے ان پر بھیج دی ایک ایسی تیز آندھی جس میں پتھر تھے' سوائے لوط کے گھر والوں کے۔ ان کو ہم نے نجات دے دی صبح کے وقت۔''

گھر والوں سے مراد ان کی بیٹیاں ہیں۔ کیونکہ لوط علیہ السلام کی بیوی بھی نافرمان تھی، اس نے سرکش اور نافرمان قوم کا ساتھ دیا تو وہ بھی عذاب میں مبتلا کی گئی۔

قرآن حکیم کے دیگر مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں بھیجا۔ یہ بھی یاد رہے کہ انسان یا کوئی قوم جس ڈگر پر چلنے کا فیصلہ کرلے اللہ تعالیٰ امتحانات بھی اسی نوعیت کے اس کے لیے رکھ دیتا ہے۔ قوم کے افراد نے ان فرشتوں کے خلاف بھی بُرا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا۔ عذاب میں ایک تو تیز

مرتب: ابو ابراھیم

آندھی تھی اور پھر آندھی بھی ایسی تھی جو پتھر برسانے والی تھی، قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے پتا چلتا ہے کہ اللہ نے ان کو اندھا بھی کردیا اور پھر اس کے بعد ان کی پوری بستی کو اُٹھا کر اوندھے منہ پٹخ دیا گیا۔ پھر اس جگہ کو پانی میں غرق کردیا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آج بحر مُردار (Dead sea) ہے۔ اس کو بحر مُردار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مچھلی بھی زندہ نہیں رہتی۔ آگے فرمایا:

﴿نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ﴾ ''وہ نعمت تھی ہمارے پاس سے۔''

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے واضح انداز میں لوط علیہ السلام کو مطلع فرمادیا تھا کہ اب اس قوم کی مہلت ختم ہو چکی ہے۔ آپ راتوں رات اپنی بیٹیوں کو لے کر نکل جائیں اور پیچھے اس قوم کے لیے عذاب کا معاملہ کیا جائے گا۔ آگے فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝۳۵﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اُس کو جو شکر کرتا ہے۔''

آخرت میں اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کو نوازے گا اور مجرمین، سرکشوں اور باغیوں کو عذاب دے گا۔ آخرت میں تو یہ معاملہ ہونا ہی ہے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات سعادت مندوں کو سرفراز کرتا ہے اور مجرموں اور باغیوں کو سزا دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی بعض اوقات اچھے اعمال کا اچھا اور بُرے اعمال کا بُرا نتیجہ نکل آتا ہے۔ جیسے سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کردیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔'' (ابراہیم:7)

عام طور پر ہماری توجہ آنے والی مشکلات، پریشانیوں اور مصائب پر رہتی ہے، اس کے مقابلے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر رکھا ہوتا ہے اس کی طرف توجہ کم جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ کئی عوارض کا شکار ہوگئے تھے، اس کے باوجود عیادت کے لیے آنے والے لوگ حیران تھے کہ ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہے: الحمدللہ۔ کسی نے کہا کہ اتنے عوارض ہیں، مشکلات ہیں، پریشانیاں ہیں، اٹھ بھی نہیں سکتے لیکن پھر بھی یہ کلمہ جاری ہے۔ فرمایا: یہ جو سانس چل رہی ہے کیا یہ اللہ کی کم نعمت ہے؟ باقی پھر گنتے چلے جائیے کیا اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا واجب نہیں ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ اعتراف کرنا کہ مالک

ہمارے بس میں نہیں ہے کہ ہم تیرا شکر ادا کرسکیں، یہ اعتراف اللہ کو پسند ہے۔اسی طرح مصائب میں بھی صبر مطلوب ہے اور صبر میں بھی شکر کا پہلو ہوتا ہے۔بندے کو بخار آ گیا تو شکر کرے کیونکہ اس سے بڑا مرض بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ہارٹ سرجری کا مسئلہ ہے تو شکر کرے کیونکہ اس سے بڑا مسئلہ بھی ہو سکتا تھا۔بندہ اگر اس انداز سے دیکھے تو اس قدر اللہ کی نعمتیں اس کو نظر آئیں گی کہ وہ شکر کا پہلو ڈھونڈلے گا۔قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا﴾ (النحل:18)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔''

اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندوں میں انبیاء علیہم السلام کا مقام سب سے اوپر ہے۔یہاں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوط علیہ السلام کے تعلق سے فرمارہا ہے:

﴿كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ۝۳۵﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اُس کو جو شکر کرتا ہے۔''

اہل علم نے شکر کے تین درجات بیان کیے ہیں۔

(1)۔دل سے اللہ کا شکر ادا کرنا،(2)۔اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا۔یعنی زبان سے اللہ کا شکر ادا کرنا۔اللہ کے نبی ﷺ نے ہر ہر موقع کے لیے جو دعائیں سکھائی ہیں ان کا اہتمام کرنا بھی زبان سے شکر ادا کرنا ہے۔

(3)۔پورے وجود سے اللہ کا شکر ادا کرنا۔آج عظیم اکثریت اس کو بھول چکی ہے۔یہ وجود اللہ کی امانت ہے۔اس وجود کے اعضاء کو،صلاحیتوں کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کیا جائے، نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔یہ وجود سے شکر ادا کرنا ہے۔زبان ہے تو سچ بولنے میں استعمال ہو جھوٹ بولنے میں استعمال نہ ہو،غیبت میں استعمال نہ ہو،گالیاں دینے اور جھوٹے وعدے کرنے میں استعمال نہ ہو،جھوٹی قسمیں اٹھانے میں استعمال نہ ہو۔یہ ایک مثال ہے۔آگے ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدۡ اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ۝۳۶﴾

''اور لوطؑ نے ان کو خبردار کر دیا تھا ہماری پکڑ سے'لیکن انہوں نے شک کیا ان چیزوں پر جن کے بارے میں انہیں خبردار کیا گیا تھا۔''

یہ ہر پیغمبر کے ساتھ ہوا ہے کہ پیغمبروں نے قوموں کو خبردار کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا مگر ہٹ دھرمی میں آ کر لوگوں نے انکار کیا۔یہ تو پکے کافروں کا رویہ تھا۔ہم الحمدللہ مسلمان ہیں۔مسلمان معاشرے میں رہتے ہیں، آخرت کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن کیا ہمارا طرزِ عمل اس بات کا ثبوت پیش کر رہا ہے کہ ہم آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں؟ آج جو کچھ ہم اس معاشرے میں ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں،جس طرح کی خبریں آرہی ہیں، جس طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں' کیا اُن کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں؟ آخرت کو مانتے ہیں؟ کیسی کیسی معاشی برائیاں، کیسی کیسی معاشرتی برائیاں ہمارے ہاں جنم لے رہی ہیں۔ کس کس طرح دھڑلے سے اللہ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں اوپر سے چوری اور سینہ زوری والا معاملہ بھی ہے۔غور کرنے کی بات ہے۔ہم ہیں مسلمان مگر نمازیں بھی ضائع کر رہے ہیں، سودخوری بھی کر رہے ہیں، رشوت کا معاملہ بھی ہو رہا ہے، دغہ بازی بھی ہو رہی ہے، جھوٹا وعدہ بھی ہو رہا ہے، جھوٹی قسمیں بھی اٹھائی جا رہی ہیں، وراثت میں اپنی بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے۔دوسروں کی جائیدادوں پر قبضہ کرتے ہیں، دوسروں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔انا للہ و انا الیہ راجعون! کیا یہ طرزِ عمل اظہار کر رہا ہے کہ ہمارا آخرت پر ایمان ہے؟ اس پر ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔بات تلخ ہے مگر یاد رکھیں۔ایک کفر ہوتا ہے عقیدے کے اعتبار سے، کھلا پکا کفر۔جیسے ان سرکش اقوام کا بیان ہمارے سامنے آرہا ہے۔ایک کفر عملی اعتبار سے ہوتا ہے۔بندہ مانتا ہے مگر عمل نہیں کرتا تو گویا وہ کفر کر رہا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی وہ کفر کر چکا۔''

بے نمازی کا جنازہ تو پڑھا جائے گا کیونکہ اس نے کلمہ پڑھا ہے لیکن اس کی روش کفریہ تھی۔اسی طرح اجتماعی سطح پر دیکھیے کہ اللہ کے احکامات کو مانتے سبھی ہیں، چاہے ریاست مدینہ کا دعویٰ کرنے والے ہوں یا پچھلے حکمران ہوں، سبھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر اللہ کا کلام یہ بھی فرماتا ہے:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۴۴﴾ (المائدہ:44)

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۴۵﴾ (المائدہ:45)

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۴۷﴾ (المائدہ:47)

بقول ہمارے استادِ محترم بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ یہ تین فتوے اللہ کے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں جن کے پاس اختیار ہے مگر وہ اللہ کے حکم کو نافذ نہیں کرتے، اللہ فرماتا ہے، وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں اور وہی فاسق ہیں۔یہ اللہ کا کلام ہے۔کبھی کبھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ لوگ ذرا جذباتی زیادہ ہو جاتے ہیں۔کیوں نہ ہوں! دنیا کو اپنے اصولوں کے ٹوٹنے پر پریشانی ہے تو کیا مومن کو اللہ کے حکم کے ٹوٹنے پر پریشانی نہیں ہونی چاہیے؟ اور ہم بڑا لائٹ لیتے ہیں ان باتوں کو۔حضرت حذیفہ بن یمانؓ رسول اللہ ﷺ کے بڑے پیارے صحابی ہیں اور حضور ﷺ کے راز دار بھی ہیں۔ان سے پوچھا گیا کہ حذیفہ! یہ جو سورۃ المائدہ میں بڑی سخت باتیں آئی ہیں کہ وہی کافر، وہی ظالم، وہی فاسق ہیں، یہ یہود کے لیے ہیں؟ انہوں نے بڑا پیارا جواب عطا فرمایا کہ ہاں بڑے اچھے بھائی (کزنز) ہیں بنی اسرائیل والے کہ کڑوا کڑوا ان کے لیے میٹھا میٹھا تمہارے لیے۔انہیں شریعت ملی انہوں نے نافذ نہیں کیا تو عملاً وہ کفر تھا،ظلم تھا، فسق تھا۔آج شریعت کس کے پاس ہے؟ اگر ہم نافذ نہیں کر رہے تو یہ عملاً کفر ہے۔جیسے نماز جان بوجھ کر ترک کرنا عملاً کفر ہے۔آج جن کے پاس اختیار ہے، وہ اگر شریعت کو نافذ نہیں کرتے تو عملاً کفر ہو رہا ہے۔اور کوئی شریعت کے حکم کا انکار ہی کر دے تو وہ اسلام سے ہی خارج ہو گیا۔آگے فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ﴾

''اور انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کو لے جانا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹادیا''

﴿فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ۝۳۷﴾ ''تو مزا چکھو اب میرے عذاب کا اور میرے خبردار کرنے کا۔''

قوم لوط کے سرکش لوگ جب اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کی جانب بُرے ارادے سے بڑھے تو اللہ پاک نے ان کی بینائی سلب کر لی۔بائبل کی روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے ان سب گناہگاروں کی بینائی سلب کر لی۔

﴿وَلَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ۝۳۸﴾

''اور ان پر صبح ہی صبح آ دھمکا ایک عذاب جو کہ دائمی تھا۔''

دائمی سے مراد یہ ہے کہ انہیں دنیا میں بھی سزا ملی، قبر میں بھی عذاب ہوگا اور پھر آخرت میں جہنم کا دائمی عذاب بھی ان کا منتظر ہے۔آگے فرمایا:

﴿فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ۝۳۹﴾ ''تو چکھو مزا اب میرے عذاب کا اور میرے خبردار کرنے کا۔''

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۴۰﴾﴾ ’’اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن سمجھنے کو تو ہے کوئی سوچنے سمجھنے والا؟‘‘

اس سورت میں چوتھی مرتبہ یہ آیت آئی ہے۔

قرآن میں یہ جو کچھ بیان کیا جارہا ہے یہ ہمارے لیے نصیحت ہے کہ ہم سبق حاصل کریں۔ مگر کیا ہم سبق حاصل کر رہے ہیں ؟ آج آپ کوئی بھی اخبار اُٹھائیے ۔ جنسی جرائم کے واقعات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اخبارات کے صفحات بھرے پڑے ہیں، اخبار والے بھی چن چن کر ایسی خبریں لگاتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

قوموں میں جب اخلاقی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے یہ طوفانوں کا آنا، سیلاب کا آنا، غرق کیا جانا، دھنسا دیا جانا، زلزلے، ان سب کی فزیکل کاز ز اپنی جگہ مگر ان کی میٹا فزیکل کاز ز بھی ہیں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی ہدایت دے۔ بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ نگاہیں نیچی رکھیں، حیا کا اہتمام ہو، مناسب لباس ہو، پردے کا معاملہ ہو، مخلوط محافل نہ ہوں، مرد اور عورت کا آزاد اختلاط نہ ہو۔ میڈیا سے اس طرح کی چیزیں نشر نہ ہوں۔ یہ صرف حکمرانوں کے کرنے کا کام نہیں۔ لیکن اگر چین والے فیس بک کو روک سکتے ہیں اور اپنی مرضی کا چلا سکتے ہیں تو ساری دنیا میں یہ ممکن ہے۔ اس سارے دھندے کو ختم کیا جائے اور روکا جائے۔ PTA نے تھوڑی بہت کوشش تو کی ہے لیکن بہر حال بہت کچھ نہیں روکا جارہا ہے اور دھڑلے کے ساتھ سوشل میڈیا کے اوپر ان سارے جذبات کو بھڑکانے والی چیزیں موجود ہیں اور ہمارے ملک کا میڈیا بھی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ پاکستانی ڈرامے بھارتی فلموں کو بھی پیچھے چھوڑ چکے ہیں ۔ اس گندگی کو دکھانے اور پھیلانے کی اجازت حکومت دیتی ہے جس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں ۔ نکاح کو آسان بنانے میں حکومت کردار ادا کر سکتی ہے مگر ہمارے ہاں نکاح مشکل سے مشکل تر بنایا جارہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جنسی جرائم بڑھ جاتے ہیں جبکہ جنسی جرائم کے لیے مواقع عام ہیں ۔ پھر شرعی سزاؤں کا بھی انکار کیا جارہا ہے ۔ حالانکہ شرعی سزائیں عبرت کے لیے ہوتی ہیں تاکہ لوگ اس طرف نہ آئیں اور معاشرہ پاکیزہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: اداریہ

ارتقاء پذیر ہوا اور نصف حصہ مغرب میں ، یہ دونوں حصے کامل بشریت کا ایک ناقص نمونہ ہیں ۔ عالم بشریت اس پرندے کی مانند ہے جس کا ایک بازو مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ اس پر شکستہ اور زمین پر پڑے ہوئے پرندے کے دونوں بازوؤں کو اپنی جگہوں پر جوڑنے کا نام اسلام ہے تاکہ یہ دونوں بازو بقول اقبال ؂

شرق حق را دید و عالم را ندید
غرب در عالم خزید از حق رمید

ایک دوسرے کے ہم آہنگ اور ہم انداز ہو کر ارتقاء کی راہ پر گامزن ہوں ۔ اسلام کی قسمت خود ہی اس پرندے کی قسمت سے دو چار ہوگئی ہے۔ اس لیے اقبال کی یہ کوشش ہے کہ اس کی تشکیل جدید کی جائے۔‘‘

اگرچہ یہ علامہ اقبال پر بہت بڑا ظلم ہوگا کہ اُن کا کسی بھی سطح پر آج کے دانشوروں سے تقابل کیا جائے لیکن اِن دانشوروں کو محض آئینہ دکھانے کے لیے عرض ہے کہ علامہ اقبال نے مغرب کو اُس کی پوری جوانی میں دیکھا جب دنیا پر اُس کا عسکری اور تہذیبی غلبہ پورے زوروں پر تھا۔ جب سامراجی قوتوں کو چیلنج کرنے والا ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا۔ انگریز سامراج کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور امریکی استعمار جوانی کی دہلیز پر کھڑا دنیا کو چیلنج کرنے میدان میں اُترنے کو تھا۔ مسلمان اور مغلوبیت مترادفات تھے۔ سرسید اُن سے پہلے اس قوت کے سامنے نظری طور پر بھی سرنڈر کر چکے تھے۔ اقبال نے اسے نظری اور فکری طور پر قبول نہ کیا بلکہ اسے چیلنج کیا۔ اسے ایک ایسا آشیانہ قرار دیا جو ناپائیدار شاخ پر بنایا گیا تھا۔ یہ بات تو اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے اور گھڑیال یہ بتا رہا ہے کہ اب مغرب عسکری و نظری لحاظ سے قوت کھو رہا ہے۔ شاید یہ بات فی الوقت بڑی عجیب لگے لیکن وقت ثابت کرے گا کہ وقت اُن کے ہاتھوں سے اکیسویں صدی کے آغاز ہی میں سرکنا شروع ہو گیا تھا۔

اپنے دانشوروں کی خدمت میں یہ گزارشات عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہو، خود کو بھی دھوکہ دیتے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہو۔ احساس کمتری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کیوں نہیں تسلیم کرتے اور ڈٹ کر کہتے کہ پاکستان کو ایک نظریہ نے جنم دیا تھا۔ یہ نظریہ اسلام تھا۔ یہ تصور ہی احمقانہ ہے کہ اسلام کو نظریۂ پاکستان سمجھنا یا قرارداد مقاصد کو منظور کرنا ہماری ناکامی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ نظریۂ پاکستان کو عملی تعبیر نہ دی گئی اور نہ ہی قرارداد مقاصد پر رتی بھر عمل ہوا۔ حقیقت میں یہ بے عملی ہماری ناکامیوں کا باعث بنی۔ بحران شناخت کا ہرگز ہرگز نہیں ہے بحران مردان کار کا ہے۔ بحران اور فقدان مومنین صادقین کا ہے جو عمل صالح کے لیے ڈٹ جائیں۔ ضرورت ایسے مجاہدین کی ہے جو اپنا سینہ اُن مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے کھول دیں جو پاکستان کو عملی اور حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے راستے میں حائل ہیں۔ پاکستان میں نظریۂ پاکستان کی مثال اُس پودے کی سی بنا دی گئی، جسے زمین میں لگایا تو گیا لیکن نہ کبھی اُسے پانی دیا گیا، نہ اس تک دھوپ پہنچنے دی گئی، نہ جگہ جگہ منہ مارتے آوارہ جانوروں سے اس کی حفاظت کی گئی۔ پھر کہیں کہ پودا پھلنے پھولنے والا تھا ہی نہیں اور ثمر آور نہیں ہوا تو اس سے بڑا جھوٹ، دجل اور فریب اور کیا ہوگا؟

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم اسلامی، عمر 32 سال، لیکچرار کو عقد ثانی کے لیے مذہبی رجحان کی حامل نیک سیرت لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0316-4046982

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی عمر 35 سال (مطلقہ)، پردہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند، تعلیم یافتہ (عالمہ فاضلہ) کے لیے دینی مزاج کے برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0305-2696591

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha1@yahoo.com

6 حضورِ رسالت _ 3 _ (III)

نمِ اشک است در چشمِ سیاہش
دلم سوزد ز آہِ صبح گاہش
ہماں مے کو ضمیرم را بر افروخت
پیاپے ریزد از موجِ نگاہش!

ترجمہ اس (اونٹنی) کی سیاہ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی ہے۔ اس کی صبح کے وقت کی آہ سے میرا دل جلتا ہے۔

وہی (عشقِ رسول ﷺ کی) شراب جس سے میرا ضمیر روشن ہے اس (اونٹنی) کی نگاہ کی موج سے مسلسل گر رہی ہے۔

تشریح

میری طرح اس اونٹنی کی سیاہ آنکھوں میں اشکوں کی نمی ہے۔ سرزمین عرب کے صحراؤں سے عاشقوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر محبوب ﷺ کے قدموں میں پہنچانا اس کے دل کی مراد اور زندگی کا مطمع نظر ہے۔ رات کو سفر کے اختتام پر رکتے ہیں تو دوسری صبح آغازِ سفر پر صبح کے وقت اس کی عجیب آوازیں سن کر میرا دل سوز سے بھر جاتا ہے اور صبح کی آہ میرے شوق میں بھی اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ گویا اس اونٹنی کو رات کے آرام کی وجہ سے محبوب کے قدموں میں پہنچنے میں جو دیر لگ رہی ہے، اس کا غم کھا رہا ہے۔

وہی جذبۂ عشق رسول ﷺ جس سے میرا ضمیر روشن ہے اور میری آہوں اور شاعری میں جان ہے لگتا ہے اس اونٹنی کی نگاہ کی لپک میں بھی کارفرما ہے جس سے اس کی آنکھوں سے یہ جذبہ آنسوؤں کی شکل میں ٹپک رہا ہے لہٰذا سفر کی تکان اور راستے کی مشکلات کو برداشت کر کے راہروانِ منزل کو دوست تک پہنچانے کے لیے بے تاب ہے۔

انسانوں کی زندگی کا عظیم مقصد انہیں عظیم بنا دیتا ہے اور مطلوب اور مقصدِ حیات کی بے وقعتی انسان کو بے وقعت اور جانور بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک اس سفر میں چالاک و چوبند اونٹنی قابل ستائش ہے۔ اصحاب کہف کا کتا بھی کلامِ ربانی کا نگینہ بنا اور جاوداں ہوگیا۔ قرآن مجید میں با مقصد عظیم لوگوں کا ساتھ دینے والے جانور، گھوڑے اور سواریاں بھی عظمت کے ہمالہ کو چھو لیتی ہیں۔ سورۃ العادیات میں فدائینِ شہ مدینہ ﷺ کی راہ حق میں سواریوں کی شان کا وہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے۔ ربّ ذوالجلال نے ان سواریوں کے قدموں کی نعلوں سے نکلنے والی چنگاریوں کی قسم کھائی ہے۔ ان سواریوں کے کیا کہنے اور ان سواریوں پر جلوہ افروز ہونے والے فدائینِ محمد ﷺ صحابہ کرام کی شان کی عظمت کے کیا کہنے۔

حضورِ رسالت _ 4 _ (I)

چہ خوش صحرا کہ در وے کارواں ہا
دُرودے خواند و محمل براند
بہ ریگِ گرمِ او آور سجودے
جبیں را سوز، تا داغے بماند!

ترجمہ کیا اچھا صحرا ہے جس میں قافلے (والے) درود پڑھتے جاتے ہیں اور کجاوے ہانکتے جاتے ہیں۔ اس (صحرا) کی گرم ریت پر سجدے بجا لاؤ (اور) پیشانی کو جلاؤ تا کہ نشان رہ جائے۔

تشریح

علامہ اقبال ذہناً وقلباً مدینہ منورہ جانے کو بے تاب ہیں اور اس کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے یورپ کے کئی سفر کیے تھے اور جدہ (بحیرۂ قلزم۔RED SEA) سے گزرے تھے مگر بوجوہ حرمین شریفین نہ جا سکے کہ مقتدر عالمی صہیونی استعمار کی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں کے ماحول میں اس آتش نوا شاعر کا وہاں جانا کسی تصادم اور حادثہ کا باعث بن سکتا تھا۔ آخری عمر میں بھی تیاری تھی مگر اللہ کو منظور نہیں تھا۔ آدمی جب خود کسی پسندیدہ اور محبوب کام میں مگن ہوتا ہے اس وقت اگر کوئی آدمی یا گروہ وہی کام کر رہا ہو تو وہ بھی محبوب اور ہم مشرب لگتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے مدینے کا سفر، صحرائے عرب کا دلکش نظارہ اور دلفریب یادوں کا موقع بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال کو بھی اس سفر پر ہم سفر قافلے والے بھی اچھے لگ رہے ہیں کہ اچھا صحراء ہے اور یہاں نزدیک و دور سے آنے والے مسلمان مسافر کاروانوں کی شکل میں حضرت محمد ﷺ پر درود وسلام پڑھتے جاتے ہیں اور اپنی سواریاں تیز ہانکتے ہیں کہ منزل جلد قریب آ جائے۔ یہاں کی ریت گرم ہے پاؤں جلتے ہیں مگر یہاں اللہ کی عبادت اور سجدوں کی کثرت کی ضرورت ہے تا کہ جبین جلے اور یہ جلن ماتھے پر اپنا نشان چھوڑ جائے اور یہ نشان انسان کو تادیر صحرائے مدینہ کی یاد دلاتا رہے۔

اے روحِ محمد ﷺ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر!	اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں	پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد	اس کوہ و بیاباں سے حُدی خواں کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ!	آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!

(کلیاتِ اقبال (اُردو) ضربِ کلیم)

یہ جو آج معیشت کا مسئلہ ہے کہ امیر امیر سے امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا جارہا ہے، یہ جو سود کا مسئلہ ہے کہ لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کو لوٹا جارہا ہے اور یہ جو جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کا مسئلہ ہے کہ عام لوگوں کا استحصال ہورہا ہے' یہ سب مسائل نفاذِ دینِ اسلام سے ہی ختم ہوں گے۔

نفاذِ اسلام پاکستان میں؟ کے موضوع پر

حالاتِ حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: نفاذ دین یا نفاذ اسلام سے کیا مراد ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو ہمیں لفظ دین کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں دین اسلام کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ یہ محض عقائد اور عبادات کا مجموعہ ہے۔ کبھی انگریزی لفظ religion (جس کا عام ترجمہ مذہب کیا جاتا ہے) کو بھی اسلام کے ساتھ ایکویٹ کردیا جاتا ہے حالانکہ اسلام صرف مذہب نہیں ہے بلکہ دین ہے جو قرآن کی اصطلاح بھی ہے۔ religion اصل میں انسان کے پرسنل افیئرز تک محدود ہوتا ہے یعنی انفرادی زندگی کے گوشوں تک محدود ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر کہا جاتا ہے کہ مذہب تو ہمارا ذاتی مسئلہ ہے لیکن دین محض کچھ عبادات اور عقائد کا مجموعہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ (المائدہ: 3) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے''

اسی طرح سورۃ البقرہ میں فرمایا: ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ (آیت: 208) ''اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔''

سیاسیات میں سمجھا جاتا ہے کہ زندگی کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک انفرادی زندگی اور ایک اجتماعی زندگی۔ دین اسلام انفرادی زندگی کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، رسومات بھی ہیں۔ یعنی اسلام پورا مذہب بھی ہے لیکن ساتھ یہ اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں (معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت اور ریاست) کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے۔ یعنی کہ اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اُردو میں دین کا ترجمہ مکمل نظام بنتا ہے۔ انگریزی میں اس کو سسٹم آف لائف کہیں گے۔ جب ہم نفاذ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں ہم اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے جھکا رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات: 1) ''اے اہل ایمان مت آگے بڑھو اللہ اور اُس کے رسول سے۔''

مرتب: محمد رفیق چودھری

علماء نے لکھا اس سے مُراد یہ ہے کہ انسان زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات اُن حدود کے اندر رہ کر حل کرے جن کا تعین اللہ اور اس کے رسولؐ نے کر دیا ہے۔ نفاذ دین اسلام سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں ہم اپنی خواہش کو اللہ کی خواہش کے آگے سرنڈر کر دیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے سامنے جھکا دیں۔ ہمارے ہاں ایک یہ بھی تصور رائج ہے کہ اگر دین کا نفاذ ہو گیا تو نماز کی پابندی کرائی جائے گی، زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کا معاملہ بھی ہوگا۔ بالکل ٹھیک بات ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں، کوئی ان کی اہمیت کو کم نہیں کرسکتا۔ اس سے اگلی بات یہ آتی ہے کہ سزاؤں کا نفاذ ہوگا، قصاص کا قانون لاگو ہوگا، چور کی سزا نافذ کی جائے گی، ڈاکوؤں کی سزا نافذ کی جائے گی، زنا کرنے والوں کے لیے سزا نافذ کی جائے گی۔ نفاذ دین اسلام کے حوالے سے عام تصور یہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادات کا حکم بھی شریعت دیتی ہے، جرائم کی روک تھام کے لیے سزاؤں کا نفاذ شریعت چاہتی ہے۔ لیکن یہ اسلام کے نفاذ کا پورا تصور نہیں ہے۔ اسلام تو سوشل جسٹس کی بات بھی کرتا ہے۔ سیاسی، معاشی اور سوشل لیول پر راہنمائی عطا کرتا ہے، عدل اجتماعی کی بات کرتا ہے۔ سیاسی سطح پر سارے انسانوں کو جینے کا حق ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں تمام انسان حقوق کے اعتبار سے برابر ہوں گے۔ یہ جو آج معیشت کا مسئلہ ہے کہ امیر امیر سے امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا جارہا ہے، یہ جو سود کا مسئلہ ہے کہ لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کو لوٹا جارہا ہے اور یہ جو جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کا مسئلہ ہے کہ عام لوگوں کا استحصال ہو رہا ہے' یہ سب مسائل نفاذ دین اسلام سے ختم ہوجائیں گے۔ معاشرت کی سطح پر لوگوں کو روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ کے لیے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ اسی طرح عورتوں کو وراثت میں ان کو حق دیا جائے گا۔ یہ وہ پورا تصور ہے جس کو ہم اس مہم کے ذریعے عام کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: بہت سے لوگ اسلامی نظام سے سزائیں مراد لیتے ہیں جس سے لوگ خوفزدہ ہوجاتے ہیں۔ کیا اسلامی سزاؤں کو وقتی طور پر مؤخر کرکے دین اسلام کی برکات کا نفاذ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اسلام ایک عادلانہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے، ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے کہ جہاں جرائم کے امکانات کم سے کم ہوجائیں۔ پھر لوگوں کا اجتماعی ضمیر ایسا بیدار ہو کہ جرائم کی طرف توجہ کا معاملہ نہ رہے، پھر ثانوی درجے میں سزاؤں کے نفاذ کی ضرورت پیش آئے گی۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہ مانیں تو پھر کبھی لاتیں چلانی پڑتی ہیں۔ لیکن بعض اوقات سزاؤں کے حوالے سے کچھ لوگوں کو زیادہ ہی پریشانی ہوتی ہے۔ میں ایسے لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ کیا آپ

نے چوری کرنی ہے، آپ نے ڈاکہ ڈالنا ہے، آپ نے کوئی جرم کرنا ہے؟ نہیں کرنا تو پھر آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ ان سزاؤں سے پریشان ان کو ہونا چاہیے جنہوں نے یہ جرائم کرنے ہوں گے۔ جہاں تک اسلام کی برکات کی بات ہے تو غالباً صدر نکسن نے شاہ فیصل سے پوچھا تھا کہ تم سعودی عرب میں سخت سزائیں دیتے ہو۔ شاہ فیصل نے کہا: یہ ایک تو ہمارے رب کا حکم ہے لیکن اس کی برکات یہ ہیں کہ ہمارے ہاں جو جرائم سال بھر میں ہوتے ہیں وہ تمہاری ایک سٹیٹ کے اندر ایک دو دن کے اندر ہو جاتے ہیں۔ ماضی میں افغانستان میں جب طالبان آئے تھے ان کے زمانے میں کابل اور دوسرے علاقوں میں سکھوں اور ہندوؤں نے کہا کہ ہم اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر چلے جاتے تھے، ہمیں پتا تھا کہ اگر دو ہاتھ چوری کرنے کے لیے بڑھیں گے تو ان کو کاٹنے کے لیے ہزاروں ہاتھ اٹھ جائیں گے۔ یہ نفاذ دین کی برکات تھیں۔ لہٰذا جب بھی نفاذ دین اسلام کی بات ہو تو اس سے مراد سزاؤں کا نفاذ ہی لینا درست نہیں ہے۔ ایک عادلانہ نظام اور پاکیزہ معاشرہ جہاں اجتماعی ضمیر لوگوں کا بیدار ہو وہاں جرائم کی روک تھام ویسے ہی ہو جائے گی کہ کوئی جرم کی طرف جانے کی کوشش ہی نہ کرے گا۔ لیکن اس ساری پاکیزگی کے باوجود بھی کوئی گندگی کی طرف جاتا ہے تو پھر آخری درجے کے اندر سزاؤں کا نفاذ بھی ہوگا۔

سوال: اسلامی سزاؤں کی مخالفت زیادہ تر ہمارا حکمران اور جاگیردار طبقہ کرتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نفاذ اسلام سے ان کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان لوگوں نے امیر اور غریب کی تقسیم کو بہت بڑھا دیا ہے۔ یہاں کے ہسپتالوں میں چلے جائیں تو رونا آتا ہے لیکن دوسری طرف اسی معاشرے کے اندر کچھ گھرانے ایسے ہیں جن کے کتوں کے لیے ایئر ایمبولینس سنگاپور سے آتی ہے اور جانور کو لے کر USA جاتی ہے۔ اسی معاشرے میں ایک گورنر یا صدر مملکت جو بھی جرم کرلے اس کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کو استثناء حاصل ہے۔ یہ کونسا عدل ہے۔ جبکہ اسلام کا کیچ ورڈ ہی عدل ہے۔ اس حوالے سے عیسائیوں نے ڈاکومنٹریز بنائی تھیں، ان کے سکالرز نے باقاعدہ کہا تھا؛

"The beauty of the teachings of Prophet Muhammad(PBUH) is the catching word Justice." یعنی محمد ﷺ کی تعلیمات کا خوبصورت ترین نکتہ عدل کا قیام ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ فاطمہ نامی عورت نے چوری کی، کچھ لوگوں نے سفارش کرنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بالفرض اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) نے بھی چوری کی ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔ یہ ہے عدل جو پیغمبروں کا مشن تھا۔

﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید:25) ”تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔“

پھر حضور ﷺ سے کہلوایا گیا:

((لامرت لاعدل بینکم))

اور اسی عدل کا آج ہم سے تقاضا ہے:

((کونوا قوامین بالقسط))

سوال: موجودہ دور میں دنیا میں اسلامی نظام کے تین ماڈل سامنے آچکے ہیں، ایک سعودی ماڈل، دوسرا ایرانی اور تیسرا امارت اسلامیہ افغانستان ماڈل۔ آپ کے خیال میں پاکستان میں کون سا ماڈل ممکن ہو سکتا ہے؟

جواب: جہاں تک ایرانی ماڈل کی بات ہے تو بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے اس حوالے سے بڑے خوبصورت تبصرے موجود ہیں۔ پھر انہوں نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر خطابات ارشاد فرمائے۔ وہ ایرانی ماڈل کے حوالے سے ایک لفظ استعمال کرتے تھے کہ وہاں تھیوکریسی کا معاملہ آ گیا جبکہ اس امت کے لیے عوامی خلافت کا تصور ہے، یعنی یہ عوام کی رائے کے مطابق قائم ہوگی۔ اس میں شورائیت ہے، مشاورت ہے کیونکہ ختم نبوت کے بعد سب کے سب مسلمان نظام خلافت قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح سعودی ماڈل میں بادشاہت ہے، اس میں بھی عوامی رائے کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ مغربی معاشروں کا عجیب دوہرا معیار ہے کہ ایک طرف دنیا میں جمہوریت کے چیمپئن بنتے ہیں اور ہم سے تقاضا بھی کرتے ہیں لیکن وہاں کی بادشاہتوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ جبکہ ہمارے لیے فوجی حکمرانوں کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا طالبان ماڈل کو یہاں اپنایا جا سکتا ہے۔ یعنی کیا قوت کو استعمال کر کے اور مسلح تصادم کا راستہ اختیار کر کے، قتال فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کر کے پاکستان میں نفاذ اسلام کی جدوجہد کی جا سکتی ہے؟ اس پر مسئلہ خروج کے عنوان کے تحت ہمارے ہاں فقہاء کی تفصیلات موجود ہیں کہ کلمہ گو حکمرانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے جا سکتے۔ اس کے علاوہ آج کے دور میں حکومت کے ساتھ آرمڈ فورسز بھی ہوتی ہیں، پوری حکومتی مشینری بھی موجود ہوتی ہے۔ اس صورت میں اگر حکمران شریعت نافذ نہ کر رہے ہوں تو پھر مسلح تصادم موزوں نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے اکثر خطابات میں اس نکتہ پر بحث موجود ہے۔ طالبان نے جب اسلامی امارت قائم کی تھی تو ان پر ساتھ ممالک چڑھ دوڑے تھے اور اسلامی امارت کو ختم کیا گیا، ان پر چڑھائی کرنے والے اکثر تو کفار تھے۔ کفار سے جنگ کرنا، کسی حربی کافر کی گردن اڑانا تو آسان معاملہ ہے۔ طالبان کی اصل جنگ کفار کے ساتھ تھی جبکہ مسلم حکمرانوں کے خلاف وہ جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ اس لیے متبادل راستے زیر بحث لائے گئے۔ ایک راستہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہیں۔ جب افراد بدل جائیں گے تو نظام بدل جائے گا۔ دوسرا قتال کا راستہ ہے۔ ہمارے بعض ساتھی جذباتی ہو کر کہتے ہیں کہ کیا قرآن میں جہاد کا حکم نہیں ہے؟ میں ان کو کہتا ہوں کہ قرآن میں نماز کا حکم بھی ہے، زکوٰۃ کا حکم بھی ہے لیکن جب ان کی شرائط پوری ہوں گی تو اس حکم پر عمل کیا جائے گا۔ اسی طرح قتال کا حکم بھی ہے لیکن جب اس کی شرائط پوری ہوں گی تو اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔ وہ اس وقت موزوں نہیں ہے۔ تیسرا راستہ انتخابی سیاست کا راستہ ہے جو ہمارے ہاں پسندیدہ بھی ہے۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس کو حرام نہیں کہا لیکن پاکستان کی 74 سالہ تاریخ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے یہ راستہ قطعاً موزوں نہیں ہے۔ ہماری دینی اجتماعیت کو جتنی سیٹیں جنرل مشرف کے دور میں ملی تھیں اس سے پہلے کبھی نہیں ملیں، نہ اس کے بعد ملنے کا کوئی امکان ہے۔ لیکن دینی حوالے سے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ پھر ہمارے ملک کے اکثر حصوں میں جاگیرداروں، وڈیروں اور گدی نشینوں کا جبر و استحصال پر مبنی نظام رائج ہے۔ وہاں ممکن ہی نہیں کہ عوامی رائے سامنے آ سکے۔ اسی لیے دینی سیاسی جماعتوں نے پورا زور لگا کر دیکھ لیا لیکن نتیجہ صفر رہا۔ صرف ایک ہی راستہ ہے جس کے ذریعے یہاں اسلام کا نظام لایا جا سکتا ہے اور وہ ہے پرامن اور منظم تحریک کا راستہ۔ اس کی حمایت میں کافی مضبوط دلائل موجود ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ پاکستان بھی تحریک کے نتیجے میں حاصل کیا گیا۔ اس کے بعد ختم نبوت کی تحریک چلی اور 1974ء میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا۔ یہ تحریک بھی کامیاب ہوئی۔ پھر گزشتہ چند برسوں میں ناموس رسالت کے قوانین کو بدلنے کی کوشش کی گئی تو اس کو بھی تحریک کے ذریعے دینی جماعتیں روکنے میں کامیاب ہوئیں۔ پھر جنرل ضیاء الحق کے دور میں اہل تشیع

نے تحریک چلائی اور اپنی زکوٰۃ معاف کروانے میں کامیاب ہوئی۔ جنرل مشرف کے خلاف وکلاء کی تحریک کامیاب ہوئی۔ لہٰذا پاکستان میں عوامی تحریک کی کامیابی کے مواقع ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ لیکن نفاذ شریعت کی تحریک کے لیے لازم ہے کہ یہ تحریک چلانے والے پہلے اپنی ذات پر شریعت کا نفاذ کریں۔ تب ان کے ساتھ اللہ کی مدد آئے گی۔ اللہ کا دین پاکیزہ ہے اور اس کی جدوجہد بھی پاکیزہ ہے۔ اللہ کی نصرت سرکشوں اور باغیوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے پہلے اپنے آپ کو مسلمان کرنا ضروری ہے۔ اس طریقے کو اب علماء اور دوسرے لوگ بھی بہتر طریقہ سمجھتے ہیں۔ 2010ء میں جب بانی تنظیم اسلامی کا انتقال ہوا تو انہی دنوں جامعہ اشرفیہ لاہور میں مکتبہ دیوبند کے علماء کا ایک اجلاس ہوا جس کا اعلامیہ مولانا زاہد الراشدی اور مفتی تقی عثمانی نے لکھا تھا۔ وہ اعلامیہ بانی تنظیم اسلامی کی باتوں کی تائید کر رہا تھا۔ انہوں نے اعلامیہ میں لکھا کہ پاکستان میں جتنے مسائل ہیں ان کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر شریعت نافذ نہیں ہے۔ لہٰذا اب ہمیں پُرامن، منظم اور غیر مسلح تحریکِ نفاذِ شریعت کے لیے اُٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قبولیت کی بات تھی کہ ادھر بانی تنظیم اسلامی کا انتقال ہوا اور ادھر ان حضرات کا اجتماع مکمل ہوا اور وہ اسی نتیجے پر پہنچے جس کی طرف بانی تنظیم اسلامی 1980ء سے قوم کو توجہ دلا رہے تھے۔ ہماری اس مہم کا مقصد بھی یہی ہے اسی لیے ہم نے اس مہم کو تحریک کا نام نہیں دیا۔ بلکہ یہ آگاہی ہے کہ جن جن گوشوں میں اس حوالے سے کام ہوا اُن کے حوالے سے یاددہانی کرائی جائے۔ باقی جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو بات آگے بڑھے گی۔ پورے پاکستان میں جب لوگ بجلی، گیس، ٹیکس، مہنگائی جیسے مسائل کے حل کے لیے سڑکوں پر آتے ہیں تو ان کا مطالبہ مانا جاتا ہے۔ کیا دین ہی لاوارث رہ گیا ہے، سوتیلا رہ گیا ہے۔ باقی ہر ایشو کے لیے ہم کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی بات منواتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے حکومتی اداروں نے علماء سے ایک بیانیہ لیا تھا۔ اس حوالے سے تمام صوبوں کے اندر علماء کی مجالس منعقد ہوئیں۔ کراچی میں مفتی تقی عثمانی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”میں علماء سے پوچھتا ہوں کہ آج تک ہم نے کوئی تحریک چلائی ہے کسی منکر کے خاتمے کے لیے؟ ہماری حکومتوں کو انگریز کے دور سے یہ بات سمجھ آچکی ہے کہ جو جتنا تگڑا جوتا لے کر آتا ہے اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔ اس تگڑے جوتے کو ہم تحریک کہہ رہے ہیں مگر وہ پُرامن، منظم اور غیر مسلح ہو لیکن زوردار انداز میں شریعت کے نفاذ کے مطالبے کے لیے ہو۔ آپ کو مختلف مکاتبِ فکر کے فکر میں معروف کی تعریف میں فرق ملے گا لیکن منکر کی تعریف میں کوئی میں فرق نہیں ملے گا۔ سب کے ہاں سود، جوا، شراب حرام ہے۔ سب کے ہاں زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور اسلامی سزائیں وغیرہ متفق علیہ ہیں تو تحریک کسی ایک نکتہ کو لے کر شروع کی جاسکتی ہے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ 1951ء میں چوٹی کے 31 علماء نے 22 نکات اسلام کے نفاذ کے لیے دے دیے تھے۔ کیونکہ سوال سامنے آیا تھا کہ کس مسلک کا اسلام نافذ کریں؟ سید سلیمان ندویؒ نے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو بلایا اور مشترکہ طور پر 22 دستوری نکات مرتب کر کے حکومت کو دے دیے کہ ہم سب متفق ہیں آپ اسلام نافذ کریں۔ افسوس تو یہ ہے کہ موجودہ نئی نسل کو ان چیزوں کا پتا ہی نہیں ہے۔

سوال: ٹی ٹی پی اور داعش کی سوچ کو تنظیم اسلامی کس طرح رد کرتی ہے؟

جواب: پہلے داعش کی مثال لے لیجیے۔ داعش عراق میں بنائی گئی وہاں ساتھ ہی اسرائیل ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان والوں کے سب سے بڑے دشمن یہود ہیں لیکن داعش نے ان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی۔ ساری کارروائیاں مسلم ممالک میں کیں اور مسلمان معاشروں کو کمزور کیا۔ بات بالکل واضح ہے کہ داعش کس نے اور کیوں بنائی؟ جہاں تک ٹی ٹی پی کا معاملہ ہے تو عجیب بات ہے کہ کراچی کے اندر بھتوں کی پرچیاں آتی ہیں تو ان کے نیچے ٹی ٹی پی لکھا ہوا ہے۔ یعنی اس قدر یہ بدنام زمانہ لوگ ہو گئے ہیں کہ ان کا نام لے کر لوگوں نے بھتہ لینا شروع کر دیا۔ پھر ٹی ٹی پی نے بھی مسلمانوں کا خون بہایا۔ لگتا یہی ہے کہ یہ دین دشمنوں کی سازشیں ہیں تاکہ اسلام اور لفظ خلافت کو بدنام کیا جا سکے۔ ہم ان نام نہاد تنظیموں کو مسترد کرتے ہیں اور ان کی مذمت کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خلافت کا نام ہی نہ لیں۔ پھر تو ہمیں قرآن سے بھی خلافت کے تصور کو نکالنا پڑے گا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اسلام کا اور خلافت کا صحیح تصور لوگوں کے سامنے رکھیں۔

سوال: اگر پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہوجاتا ہے تو باقی دنیا پاکستان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟

جواب: قیامِ پاکستان کا مقصد ہی اسلامی نظام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ قائداعظم اور علامہ اقبال کا ویژن اس حوالے سے واضح تھا۔ قائداعظم نے سٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر واضح فرمایا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور سودی معیشت نے دنیا کو تباہ کر دیا ہے ہمیں اس کے متبادل اسلامی روح کے مطابق نظام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔ اسی طرح علامہ اقبال کے الفاظ ہیں کہ جہاں تک میں نے انسانیت کے مسائل پر غور کیا اس کا حل سوائے اسلامی شریعت کے کہیں اور نہیں ملتا البتہ اس کے لیے ایک خطۂ زمین کا ہونا لازم ہے۔ گویا بانیانِ پاکستان کے نزدیک اصل مقصد یہی تھا کہ ہم نے اسلامی نظام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حق و باطل کا معرکہ ازل سے جاری ہے۔ جب حق قائم کیا جائے گا تو باطل کی طرف سے مخالفت بھی آئے گی۔ اس وقت بھی دنیا میں اسلاموفوبیا کا ایک محاذ موجود ہے۔ اس کو فکری اعتبار سے بھی جواب دینے کی ضرورت ہے لیکن اصل جواب عملی اعتبار سے ہوگا۔ جب دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی برکتیں ہوں گی۔ جو سسکنے والا طبقہ ہے، جو پسنے والا طبقہ ہے، اُس کو جب اسلامی نظام کھڑا کر دے گا اور ظلم و جبر و استحصال کا خاتمہ ہوگا تو عوام اسلامی نظام کے ساتھ ہوں گے۔ بے شک اشرافیہ اور حکمران طبقے کی طرف سے بھی اور عالمی باطل قوتوں کی طرف سے مخالفت بھی کی جائے گی لیکن اگر ہم اسلام اور اللہ کے ساتھ مخلص ہوئے تو اللہ کی مدد ہمیں حاصل ہوگی اور ہم فتحیاب ہو کر رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اس حوالے سے بہت بڑی مثال ہمارے سامنے ہے۔ 60 ملکوں نے مل کر دنیا کی تمام عسکری طاقت اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ افغان طالبان پر چڑھائی کی لیکن اللہ کی مدد جنہیں حاصل تھی وہی فاتح رہے۔ ہمارا یقین ہے کہ ساری کامیابی اور فتح اصلاً اللہ کے حکم سے ممکن ہے۔ آج اگر ہم اللہ کے ساتھ committed ہو کر دنیا کے سامنے نظام پیش کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اس کی قبولیت کے مواقع بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

سوال: دشمن تو اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ اگر کوئی جماعت اسلام نافذ کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس کو عوامی تائید کی ضرورت نہیں ہوگی؟

جواب: اس وقت ہماری مہم کا مقصد ہی عوام کو آگاہی دینا ہے۔ تحریک کا عمل الگ چیز ہے، آگاہی مہم الگ ہے۔ تحریک شروع کرنے کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنی ذات پر ممکنہ حد تک شریعت نافذ کر چکے ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ کئی قسم کی حرام چیزوں سے انہوں نے

پہلے اپنے آپ کو بچانا ہے، ہوسکتا ہے روکھی سوکھی پر گزارا کرنا پڑے، اپنے living standard کو نیچے لانا پڑے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی 23 برس کی جدوجہد کو دیکھیں تو مکہ کے تیرہ برس میں قرآنی دعوت ہے، توحید کی دعوت ہے، جو اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں ان کو اللہ والا بنایا جا رہا ہے، ان کو مصائب جھیلنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اور ان کا مقصود اول یہ بنایا جا رہا ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہوجائے اور آخرت کی کامیابی مل جائے۔ جو لوگ اس کام کے لیے تیار ہوجائیں وہ بڑے سے بڑے مصائب کو بھی جھیلنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ یاد رہے کہ جب وہ تیار ہوجاتے ہیں تو ان کا رب ان کے لیے وہ مواقع فراہم کرتا ہے، وسائل فراہم کرتا ہے پھر یہ کہ ان کو استقامت بھی عطا کرتا ہے، ان کی نصرت بھی فرماتا ہے اور وہاں سے عطا فرماتا ہے جہاں بندوں کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ (الطلاق:2، 3) ’’اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا‘ اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔‘‘

لیکن تقویٰ اختیار کرنا پہلی شرط ہے جس کا حاصل ہے گناہوں کو چھوڑنا، حرام کو چھوڑنا، خوف خدا دل میں پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کی حدود میں سے ایک حد کا نفاذ ہو تو کسی صحرا میں چالیس دن برسنے والی بارش سے زیادہ خوشحالی اللہ سبحانہ وتعالیٰ عطا کرتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ﴾ (المائدہ:66) ’’اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔‘‘

اسی طرح ایک اور آیت ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ﴾ (البقرہ:155) ’’اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے۔‘‘

لیکن اس کے لیے قوم کو تیار کرنا بہت ضروری ہے۔ باہر کے دشمن اسلاموفوبیا کا شکار ہوکر اسلام کے خلاف اقدامات کرتے رہیں گے لیکن یہاں ہمارے اندرون کے آلہ کار ان کے دوست ہیں جو اسلام کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ ہماری قوم کا حال یہ ہے کہ وہ اقیموا الصلوٰۃ کو مانتی ہے لیکن نماز ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، جمعہ کی دو رکعت پر کفایت کیے ہوئے ہے۔ ایسی قوم کو یہ سمجھانا بھی ایک مشکل کام ہے کہ اقیموا الدین بھی قرآن کا حصہ ہے اور اللہ کا تقاضا ہے، جیسے نماز کو قائم کرنے کا حکم ہے اسی طرح دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنے کا حکم ہے۔ جو قوم اقیموا الصلوٰۃ کو مانتی ہے لیکن عمل نہیں کرتی وہ اقیموا الدین کب مانے گی اور پھر کب عمل کرے گی؟ یہ ایک مشکل سوال ہے اور اس کے لیے بہت وقت اور محنت درکار ہے۔

مکہ کے 13 برس نبی ﷺ کی زندگی کے کتنے مشکل سال تھے؟ جیسے شاعر نے کہا:

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

تنظیم اسلامی کی نفاذِ دین اسلام مہم کا مقصد ایمان کی آبیاری، تعلیم، آگاہی دینا ہے۔ پھر اس کی خوشخبری سنانا بھی ہے کیونکہ اس میں دنیوی اور اُخروی برکات بھی شامل ہیں اور یہ بتانا بھی ایک مقصد ہے کہ نفاذِ دین کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ پھر پاکستان جیسا ملک جو اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا گیا اس کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ باقی ملکوں کی بات تو علیحدہ ہے۔ جیسے کہا گیا ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

ستاون ملکوں میں یہ خاص ملک ہے جو اسلام کے نام پر بنا ہے یہ قائم اور متحد بھی صرف اسلام کی بدولت رہ سکتا ہے۔ اس کی سلامتی اور بقاء اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام کے بغیر یہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

سوال: کیا یہ بہتر نہ ہو کہ اس مہم میں دوسری جماعتیں بھی شریک ہوں؟

جواب: کیوں نہیں! اسلام کا مسئلہ صرف تنظیم اسلامی کا تھوڑا ہی ہے، سارے مسلمانوں کا ہے۔ چنانچہ اس مہم کے اندر بہت سارے کام ہمارے پیش نظر ہیں جن میں ایک دینی جماعتوں کو متوجہ کرنا بھی شامل ہے۔ ان سب دینی مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین کو ہم نے خطوط لکھے ہیں۔ اسی طرح آئمہ مساجد تک بھی ہم اس بات کو پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح پارلیمنٹ کے اراکین بھی مسلمان ہیں، وہ بھی ووٹ لے کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ میں بیٹھے ہیں، ان تک بھی بات پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو بھی ذرائع ابلاغ ہیں جن میں سوشل میڈیا، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، پبلشنگ ادارے ہیں وہاں بھی ہم اپنی بات پہنچائیں گے۔ پمفلٹ کی تقسیم، بل بورڈز اور بینرز کا استعمال، خطابات جمعہ کا فورم، دروس قرآن کے حلقے وغیرہ ان تمام چیزوں کو ہم استعمال میں لائیں گے۔ اسی طریقے سے کچھ سیمینارز کی شکل بھی ہوسکتی ہے۔ ان تمام ذرائع سے ہم نے ایوان بالا، عوام الناس، سیاسی و دینی جماعتوں تک بات پہنچانی ہے۔ کیونکہ یہ کوئی ہمارا ذاتی مسئلہ تو نہیں ہے بلکہ ہم سب کی نجات اسی کے ساتھ منسلک ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب لوگ اپنا اپنا فورم استعمال کر کے کم سے کم اس حوالے سے بات تو شروع کریں۔

سوال: ’’نفاذ دین اسلام مہم‘‘ کے حوالے سے رفقائے تنظیم اسلامی اور دیگر مسلمانان پاکستان کو کیا پیغام دیں گے؟

جواب: الحمدللہ! ہمارے حکمران بھی مسلمان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے افراد کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں پہلا امام العادل (عدل کرنے والا حکمران) ہوگا اور عدل آئے گا اللہ کے دین اور اللہ کی شریعت سے۔ آپ قائم کردو ہمیں کرسی نہیں چاہیے بلکہ ہمیں اسلام چاہیے۔ آپ قائم کردو 22 کروڑ عوام آپ کے لیے دعا کریں گے، کتنا بڑا صدقہ جاریہ ہوگا۔ حکمرانوں سے ہمارا یہی مطالبہ ہے۔ بقول بانی تنظیم اسلامی پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کچھ مواقع بھی دے دیے، کچھ مشینری بھی ہمیں دے دی۔ ہم نے 1949ء میں قرارداد مقاصد پاس کر دی، لکھ دیا کہ اس ملک میں حاکمیت اللہ کی ہوگی اور کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوگی۔ 1951ء میں علماء نے 22 نکات دے دیے۔ ضیاء الحق مرحوم کے دور میں فیڈرل شریعت کورٹ بنا دی گئی گو کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے تھے لیکن وہ معاملہ بھی 1991ء میں جا کر ختم ہوگیا۔ اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل بھی بنی اور اس نے اپنے ابتدائی دور میں 90 فیصد کام مکمل کر لیا تھا۔ پہلے بڑے جید علماء اسلامی نظریاتی کونسل میں رہے، ان کا بڑا گراں قدر کام ہے لیکن وہ پیپر پر لکھا ہوا ہے عملی طور پر نافذ نہیں ہوا۔ پھر فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ پاؤں باندھے نہ جائیں اور علماء ججز کی تعداد زیادہ ہو تو وہ طے کر سکتے ہیں کہ کیا کیا قوانین خلاف

اسلام ہیں۔لہٰذا ریاستی سطح پر ایک مشینری موجود ہے۔ لیکن اس کو فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایک اصطلاح استعمال ہوتی تھی سافٹ ریوولوشن کی کہ اگر قرارداد مقاصد کی پورے آئین پر سپر میسی قائم ہوجائے اور خلاف اسلام اگر کوئی قانون ہے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے لیے وفاقی شرعی عدالت کے ججز کی وہی حیثیت ہونی چاہیے جو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججز کی ہوتی ہے، ان کی تعداد بھی زیادہ ہو، ان کے پاس اختیار بھی ہوتا کہ اس کو ریویو کریں اور اگر خلاف اسلام کوئی بات ہو تو اس کو پارلیمنٹ کے پاس بھیجیں کہ وہ اس کو شریعت کے مطابق ڈھالیں۔اگر یہ معاملہ چلتا تو ایک سافٹ انداز سے ریولوشن آسکتا تھا۔دوسری اصطلاح استعمال ہوتی ہے ہارڈ ریولوشن کی جس کی ہم بات کر چکے ہیں۔قتال کا راستہ موزوں نہیں، محض دعوت و تبلیغ سے یہ کام ہونے والا نہیں، انتخابی سیاست کا راستہ 74 برس سے ہمارے سامنے ہے۔صرف ایک تحریک ہی کا راستہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے دینی جماعتوں کو بیدار اور متحد ہونا ہوگا۔ موجودہ حکمرانوں نے بھی ریاست مدینہ کا نام بہت لیا تھا لہٰذا ہم ان سے بھی گزارش کریں گے کہ اگر آپ نے نام لیا تو کم از کم لاج ہی رکھ لیں ۔ آخرت سنوار لو، لاکھوں کروڑوں تمہارے لیے دعا کرنے والے بن جائیں گے۔

علماء سے ہماری گزارش ہے کہ جس طرح قوم کو بتاتے ہیں کہ نماز فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے۔اصول بھی علماء سے ہم نے سیکھا ہے کہ مقدمۃ الواجبِ واجبۃ۔ شریعت کے جو احکامات واجب ہیں، فرض ہیں ان کے ادا کرنے کے لیے اگر کوئی شرط ہے تو وہ بھی فرض ہوتی ہے امت کو بتائیں کہ دین کے غلبے کی جدوجہد کرنا بھی ہمارا فرض ہے ورنہ ہم شریعت کے بہت سارے احکامات پر عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔دینی مذہبی سیاسی جماعتوں سے ہماری گزارش ہے کہ انتخابی سیاست کا راستہ ہم نے دیکھ لیا اب ذرا تحریک کا راستہ بھی آزما کر دیکھ لیں۔ اسی طرح ہم عوام سے بھی خاص گزارش کرنا چاہیں گے کہ ہم اپنے دنیوی مسائل گیس، بجلی، پانی وغیرہ کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور حکومت سے اپنے مطالبات منواتے ہیں۔اقامت دین بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے لہٰذا اپنے اس فرض کی ادائیگی کے لیے بھی کھڑے ہونا چاہیے۔

رفقائے تنظیم کے لیے الحمدللہ ہم نے مرکز سے ایک خط تیار کر کے جاری بھی کیا کہ سب سے پہلے ہم اپنے سبق کو یاد کریں، ہم اپنی چند نمازوں اور نیکیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ نہ جائیں، یہ فرض اللہ کے فضل سے اگر زیادہ واضح ہے تو سب سے زیادہ بڑھ کر ہمارا تن من دھن اس راہ میں لگنا چاہیے اور جتنا لٹریچر تنظیم کے نظم کے تحت تیار ہوا ہے پہلے ہم خود اس سے گزریں تاکہ ہم اپنا سبق یاد کرسکیں۔پھر اپنے گھر، اپنے دوست واحباب میں اس پیغام کو پہنچانے کی کوشش کریں۔بہرحال یہ پوری ملک گیر سطح کی مہم ہے پھر نظم کی طرف سے مرکز کی طرف سے جو ہدایات دی گئیں ان کو سامنے رکھ کر اس دعوت کو عام کرنے کی کوشش کریں تاکہ اگر آج ہماری موت واقع ہوجائے تو ہم اپنے رب کے سامنے معذرت تو پیش کرسکیں کہ مالک جتنا عمل کرسکتا تھا وہ میں نے کیا، جہاں اختیار نہیں تھا وہاں میں نے جدوجہد کی، میری جدوجہد کو اللہ قبول کرلے تو اس سے ہماری آخرت ان شاءاللہ سنور جائے گی۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جاسکتی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(21 تا 30 اگست 2021ء)

☆ ہفتہ (21 اگست 2021ء) کو مرکزی عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی۔ بعد نماز ظہر ایک شعبہ کے حوالے سے نائب امیر سے ملاقات کی۔شام کو مقامی امیر لاہور کینٹ جناب راحیل بھٹی کے ہاں نائب امیر کے ہمراہ کھانے میں شرکت کی، جہاں ایک ریٹائرڈ با اثر شخصیت سے تفصیلی ملاقات رہی۔

☆ اتوار (22 اگست 2021ء) کو مرکز کے سکیورٹی انچارج محمد اقبال سے ان کی والدہ محترمہ کے انتقال پر تعزیت کی۔ بعد نماز ظہر مرزا ایوب بیگ کے ہاں نائب امیر اور ڈاکٹر غلام مرتضیٰ کے ہمراہ ظہرانہ میں شرکت کی۔ بانی محترم کے تمام صاحبزادگان بھی مدعو تھے۔شام کو کراچی واپسی ہوئی۔

☆ پیر تا جمعرات (23 تا 26 اگست 2021ء) کراچی میں معمول کی مصروفیات رہیں۔

☆ جمعہ (27 اگست 2021ء) کو جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔''نفاذ دین اسلام مہم'' کے حوالے سے کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس کی۔ نائب ناظم اعلیٰ نعمان اختر، کراچی کے تینوں امرائے حلقہ جات اور کچھ رفقاء بھی موجود تھے۔شام کو قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں 2 نکاح پڑھائے۔

☆ ہفتہ (28 اگست 2021ء) کو طے شدہ پروگرام کے مطابق حلقہ ساہیوال ڈویژن کے دورہ کے لیے کراچی سے شام 05:00 بجے لاہور ائیر پورٹ پہنچے اور وہاں سے عارف والا جانا ہوا۔رات مرکز حلقہ میں قیام کیا۔

☆ اتوار (29 اگست 2021ء) کو جماعت اسلامی کی جامع مسجد بلال میں بعد نماز فجر حاضرین سے مختصراً گفتگو کی۔اسی موقع پر جماعت کے ضلع پاکپتن کے امیر سے ملاقات ہوئی۔

جامع مسجد کچہری قبولہ روڈ عارف والا میں حلقہ کے اجتماع میں رفقاء وذمہ داران سے ملاقات رہی۔ سوال وجواب کا سیشن بھی ہوا۔اس کے بعد مبتدی وملتزم رفقاء سے بیعت لی۔آخر میں تمام رفقاء سے مختصر تذکیری گفتگو کی۔اس نشست کے دوسرے حصے میں حلقہ کے تمام ذمہ داران سے تعارف حاصل کیا۔سوال وجواب کا سیشن ہوا۔بعد ازاں ان سے تذکیری گفتگو ہوئی۔

بعد نماز ظہر 02:30 بجے ایک بینکوٹ ہال میں ''نفاذ دین اسلام کیا، کیوں اور کیسے؟'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس میں شرکاء کی تعداد سوا تین سو کے قریب تھی۔نماز عصر سے قبل ایک نوجوان حبیب سے مرکز حلقہ میں ملاقات کی۔

بعد نماز عصر رینالہ خورد گئے۔رات کا کھانا ایک رفیق تنظیم کے ہاں تناول فرمایا۔بعد نماز عشاء اوکاڑہ شہر کے ایک شادی ہال میں مذکورہ بالا عنوان کے تحت خطاب فرمایا۔اس موقع پر شرکاء کی مجموعی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی۔

☆ پیر (30 اگست 2021ء) کو رات ایک بجے دارالاسلام مرکز واپسی ہوئی۔صبح 09:00 تا 12:00 بجے خصوصی مشاورتی اجلاس میں شرکت کی۔بعد نماز ظہر ناظم اعلیٰ اور ناظم بیت المال سے ملاقات کی۔اس موقع پر نائب امیر بھی موجود تھے۔نائب امیر سے تنظیمی امور کے حوالے سے آن لائن رابطہ رہا۔

حضرت زینب بنتِ علی رضی اللہ عنہما

فرید اللہ مروت

سیدہ زینب بنت علی ؓ نبی کریم ﷺ کی نواسی ہیں۔

سلسلۂ نسب

سیدہ زینب خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ ؓ اور شیر خدا حضرت علی ؓ کی صاحبزادی تھیں۔

سیدہ کا نسب والد کی جانب سے یہ ہے۔ زینب ؓ بنت علی ؓ بن ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن قصی ہے اور والدہ مطہرہ کی جانب سے سیدہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ زینب ؓ بنت فاطمہ ؓ بنت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن قصی۔

کنیت اور لقب

سیدہ زینب ؓ کی کنیت ام کلثوم تھی۔ واقعہ کربلا کے بعد ام المصائب مشہور ہوئیں۔ سیدہ کے کافی القابات تھے۔ چند القاب یہ ہیں: زاہدہ، عابدہ، محبوبۃ المصطفیٰ ؐ، قرۃ عین المرتضیٰ ؓ وغیرہ

پیدائش

سیّدہ زینب بنتِ علی ؓ 5ہجری، 627عیسوی کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ دو بھائیوں کے بعد گھر میں رحمتِ خداوندی کا نزول ہوا تھا۔ والدین اور بھائی خوشی سے نہال تھے۔ نبی کریم ﷺ مدینے سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ تین دن بعد تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت فاطمہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ تو پورا گھر خوشیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ حضرت علی ؓ نے نومولود بچی کو نانا کی گود میں دے دیا۔ جونہی حضور ﷺ کی نظر معصوم نواسی کے بھولے بھالے چہرے پر پڑی تو بے اختیار فرمایا: ''ارے اس میں تو اپنی نانی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی مشابہت ہے۔'' پھر آپؐ نے اپنا لعابِ مبارک بچّی کے منہ میں ڈالا۔ کھجور چبا کر تالو سے لگائی اور اُس کا نام اپنی بڑی صاحب زادی کے نام پر زینب ؓ رکھا۔

سیدہ کا نکاح

حضرت زینب ؓ خُوب سیرت تھیں اور خُوب صُورت بھی۔ جب سن بلوغت کو پہنچیں، تو بہت سے نوجوان شادی کے خواہش مند تھے، لیکن سیّدنا علی المرتضیٰ ؓ نے اُن کے لیے اپنے شہید بھائی اور جنگِ موتہ کے ہیرو، حضرت جعفر طیّار ؓ کے سعادت مند صاحبزادے، عبداللہ بن جعفر ؓ کو منتخب فرمایا۔ حضرت جعفر ؓ کی شہادت کے بعد اُن کے بچّوں کی تربیت و پرورش آنحضرت ﷺ نے خود فرمائی تھی اور آپؐ کی وفات کے بعد یہ ذمّے داری حضرت علی ؓ نے سنبھالی۔ حضرت عبداللہ ؓ اپنے والد کی طرح اعلیٰ صفات اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ حضرت زینب ؓ کا بچپن فقر وغنا میں گزرا تھا، گھر میں تنگ دستی کا راج تھا، لیکن جب شوہر کے گھر آئیں، تو مال و دولت کی فراوانی دیکھی۔ حضرت عبداللہ ؓ کا شمار مدینے کے امیر ترین تاجروں میں ہوتا تھا۔

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے اُن کا نکاح مسجدِ نبویؐ میں نہایت سادگی سے پڑھایا۔ سیّدنا عمر فاروق ؓ کا، جو نکاح کی اس محفل میں تشریف فرما تھے، کہنا تھا کہ ''یہ ایک مثالی مسلمان جوڑے کا نکاح تھا۔'' حضرت عبداللہ ؓ اکثر فرماتے تھے کہ مَیں نے خاتونِ خانہ میں زینب ؓ سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں چار صاحبزادے عون، محمد، علی، عبّاس اور ایک صاحبزادی، کلثوم عطا فرمائیں۔ عون اور محمد نے اپنے ماموں کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہادت پائی۔ (ابن عساکر، اعلام النساء، ص190)

سیدہ کے خصائل وفضائل

سیدہ زینب ؓ علم وفضل میں نہ صرف بنو ہاشم بلکہ پورے قریش میں ممتاز تھیں۔ زہد و تقویٰ، فہم و فراست و ریاضت میں بلند مقام رکھتی تھیں۔

حضرت زینب ؓ 6 سال کی عُمر تک اپنے نانا، حضور نبی کریم ﷺ کی تربیتِ خاص میں دینی امور سیکھتیں اور اُن میں مہارت حاصل کرتی رہیں۔ پھر یہ کہ اُنھیں والد اور والدہ کی بھی بھرپور عنایات حاصل تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے کم سنی ہی میں فہم وفراست، فطانت و ذہانت، عقل مندی و دانائی، قوّتِ حافظہ کے ساتھ تحریر و تقریر کے فن سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ مؤثر گفتگو اور رُوح پرور خطاب کی بدولت سُننے والوں کو اپنا اسیر کرلیتیں۔ اِتنی معصوم سی عُمر میں اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کرنا اُن کی خداداد صلاحیتوں کا مظہر تھا۔

نانا اور والدہ کی رحلت

ابھی عمر مبارک صرف چھ سال تھی کہ نانا کی رحلت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا اور پھر چھ ماہ بعد والدۂ محترمہ بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئیں۔ اِن صدمات نے ننھی سی جان کو بکھیر کر رکھ دیا اور یہ وہ لمحہ تھا کہ جب حسنین کریمینؓ نے ماں کی نشانی، نانا کی دُلاری، معصوم سی کلی کو اپنی بانہوں میں لے کر بہن بھائیوں کے مقدس رشتے کو اَمر کر دیا اور یہ اسی محبّت کا اثر تھا کہ جب بھائی، حضرت حسین ؓ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کیا، تو ماں جائی اپنے دونوں بیٹوں، عون اور محمد کے ساتھ بھائی کے قافلے میں شامل ہوگئیں۔

مناقب

سیّدہ زینب بنتِ علی ؓ شکل وصُورت میں اپنی نانی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے مشابہہ تھیں۔ چہرے پر جلال و جمال اپنے نانا، سیّد المرسلینؐ، رحمت اللعالمینؐ کے رُخِ انور کی طرح تھا۔ چال ڈھال، اندازِ گفتگو اور طرزِ خطاب اپنے والد، حیدرِ کرار ؓ سے ملتا تھا، جب کہ عادات واطوار میں اپنی والدہ، خاتونِ جنت، سیّدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کی طرح تھیں۔ صبر وشُکر، قناعت و درگزر اپنے بڑے بھائی حضرت حسن ؓ سے، جب کہ حق گوئی و بے باکی، شجاعت و بے خوفی، مصائب سے پنجہ آزمائی اور باطل قوتوں سے ٹکرا جانا اپنے دوسرے بھائی، شہیدِ کربلا، سیّدنا حسین ؓ سے سیکھا۔ یوں خانوادۂ رسولؐ کے باغ کا ہر پھول زینب بنتِ علی ؓ کے سدا بہار گلدستے میں موجود تھا۔

والد اور بھائی کی جُدائی

سیّدنا علی المرتضیٰ ؓ میدانِ جنگ کے ہیرو ہونے کے ساتھ، خطابت کے بھی بادشاہ تھے۔ اپنے خطابات میں جو بیش بہا جملے ارشاد فرماتے، وہ آج بھی دنیائے اسلام، خصوصاً اہلِ عرب میں ضرب الامثال کا درجہ رکھتے، علم و حکمت کا انمول ذخیرہ ہیں۔ والد کی فصاحت و بلاغت صاحبزادی کو وَرثے میں ملی، تو بچپن ہی سے شاعری کا بھی شوق تھا۔ اپنی گفتگو میں موقع محل کے اعتبار سے اشعار کا استعمال کیا کرتی تھیں۔ حضرت علی ؓ نے 37ہجری میں کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا، تو حضرت زینب ؓ بھی اپنے شوہر اور بچّوں کے ساتھ وہیں منتقل ہوگئیں۔

آپؓ نے وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جلد ہی اُن کی تقاریر کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ حضرت علی ؓ 19 رمضان 40ہجری کو ابنِ ملجم کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور 21رمضان المبارک کو جامِ شہادت نوش کر گئے۔ سیّدہ زینب ؓ غم زدہ حالت میں والد کے سرہانے موجود تھیں۔ اُنھوں نے اپنے اِس غم کا مرثیوں میں اظہار کیا۔ وہ والد کی شہادت کے بعد بھائیوں کے ساتھ

مدینہ منورہ منتقل ہوگئیں۔ 50 ہجری میں حضرت حسن ؓ کو اُن کی بیوی نے زہر دے دیا۔ بچپن میں نانا اور والدہ کی جُدائی برداشت کی، جوانی میں والد کو کھویا اور اب بڑے بھائی بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔ پے در پے ان اندوہناک صدمات نے اُنہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔

سانحۂ کربلا

واقعہ کربلا 10 محرم الحرام 61 ہجری کو پیش آیا۔ جس میں سیدہ زینب ؓ کے بھائی حضرت حسین ؓ کے علاوہ ان کے بیٹے اور بھتیجے اور بہت سے دوسرے ساتھی شہید ہوگئے۔ سانحۂ کربلا کے دوسرے دن بناتِ اہلِ بیتؓ کو قیدیوں کی حیثیت سے کوفہ روانہ کیا گیا، تو شمر کی حضرت زین العابدین ؓ پر نظر پڑی، اُس نے اُنہیں بھی شہید کرنا چاہا، لیکن حضرت زینبؓ بیمار بھتیجے سے لپٹ گئیں اور اُنہیں شہید ہونے سے بچالیا۔ نواسۂ رسولؐ کے سرِ مبارک کو ایک طشت میں رکھ کر جابر و فاسق، عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ کوفے کے اِس ظالم اور لالچی گورنر نے بے شرمی اور بے ہودگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غم زدہ خواتین کو مزید ذہنی اذیت پہنچائی۔

پھر حکم دیا کہ دمشق لے جانے سے پہلے ان سب کو کوفے کے بازاروں میں گھماؤ۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں کوفی گھروں سے نکل آئے تھے۔ اس موقع پر سیّدہ زینب ؓ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں، اُنہوں نے بآوازِ بلند کہا ''اے عہد توڑنے والو! دھوکے باز کوفیو! تم نے میرے بھائی کو خطوط لکھ کر بلایا، اُن کے نام پر بیعت کی، لیکن پھر تم اپنے گھروں میں چُھپ کر بیٹھ گئے۔ تمہاری اس غدّاری پر اللہ تم کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میدانِ کربلا میں ہونے والے قتلِ عام میں تم برابر کے شریک ہو''۔

یزید کے محل میں

اِن مقدس ہستیوں کو یزیدی فوج کے حصار میں قیدی کی حیثیت سے دمشق لے جایا گیا اور یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے سر کو دیکھا، تو آب دیدہ ہوگیا، اس نے اس اندوہناک شہادت اور عظیم سانحے کی تمام تر ذمّے داری گورنر کوفہ، عبید اللہ بن زیاد پر ڈال دی۔ اگر یہ بات درست ہے، تب بھی تاریخ یزید کو اس واقعے سے کبھی بری الذمہ قرار نہیں دے سکتی کہ حاکمِ وقت کی مرضی اور منشاء کے بغیر اِتنا بڑا سانحہ ہوجانا ممکن نہیں۔

سانحۂ کربلا حق و باطل کے درمیان وہ محیّر العقول معرکہ ہے کہ جس میں خانوادۂ رسولؐ نے اپنی شہادت کا نذرانہ پیش کرکے دنیا بھر کے انسانوں کو باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جانے کا سبق دیا۔ نواسۂ رسولؐ، حضرت حسینؓ نے طاقت کے نشے میں چُور، تکبر و نخوت کے پیکر، یزید اور اُس کے ساتھیوں کو ببانگِ دہل للکار کر شجاعت و بہادری کی وہ عظیم الشان مثال قائم کی کہ دنیا محوِ حیرت ہے۔ سانحۂ کربلا میں 72 نفوسِ قدسیہ نے حاکمیتِ الٰہی اور شریعتِ محمدیؐ کے تحفظ و بقا کے لیے اپنی جانیں قربان کرکے اسلام کو نئی زندگی عطا فرمائی، جسے مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اِس شعر میں امر کردیا۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے، ہر کربلا کے بعد

شقی القلب سنان بن انس نے شمر ملعون کے حکم پر حضرت حسینؓ کا سَرِ مبارک جسم سے جُدا کیا اور ابنِ زیاد کی فوج کے بارہ سنگ دِل فوجیوں نے جسمِ اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔

خاتونِ کربلاؓ

اب مَردوں میں سوائے بیمار اور کمزور، حضرت زین العابدین ؓ کے کوئی اور نہ بچا تھا۔ یزیدی فوج کے کچھ سپاہی بناتِ مطہراتؓ کے خیموں کو آگ لگا کر لُوٹ کھسوٹ میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بارُعب آواز نے اُن کے قدم روک دیے ''خبردار! مزید آگے آنے کی ہمت نہ کرنا۔'' یہ آواز حضرت زینب ؓ کی تھی۔

یزید کے دربار میں خطاب

حضرت زینب ؓ نے یزید کے دربار میں تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ کہا ''سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں، جو کائنات کا پروردگار ہے اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، پیغمبرِ خداؐ پر اور ان کے پاکیزہ اہلِ بیتؓ پر۔ امّا بعد! بالآخر ان لوگوں کا انجام بُرا ہے، جنہوں نے اپنے دامنِ حیات کو برائیوں کی سیاہی سے داغدار کرکے اپنے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور آیاتِ پروردگار کا مذاق اُڑایا (سورۂ روم: 10)۔ اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تُو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کردیے اور رسولؐ کی آل کو رسیّوں اور زنجیروں سے جکڑ کر دربدر پھرانے سے تُو اللہ کی بارگاہ میں سرفراز ہوا اور ہم رسوا ہوگئے؟

کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہوکر ذلیل ہوگئے اور تُو ظالم بن کر بھی سربلند ہوا۔ کیا تُو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کرکے اللہ کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہوگیا؟ آج تُو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے۔ مسرّت و شادمانی سے سرشار ہوکر اپنے غالب ہونے پر اِترا رہا ہے اور خلافت کے ہمارے مسلمہ حق کو غصب کرکے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ہوش کے ناخن لے۔ کیا تُو نے اللہ کا یہ فرمان بُھلادیا کہ ''حق کا انکار کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو اُنہیں مہلت دیتے ہیں، یہ اُن کے حق میں بھلائی ہے۔ ہم اُنہیں مہلت اِس لیے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں اور اُن کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت 178)

اے طلقاء (آزاد کردہ غلام) کے بیٹے! کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تُو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کرکے پردے میں بٹھا رکھا ہے، جب کہ رسولؐ کی صاحب زادیوں کو برہنہ سر دربدر پِھرا رہا ہے۔'' (تاریخ طبری 2/337) اے یزید! یاد رکھ کہ اللہ، آلِ رسولؐ کا تجھ سے انتقام لے کر ان مظلوموں کا حق اُنہیں دلائے گا اور اُنہیں امن و سکون کی نعمت سے مالا مال کرے گا۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، اُنہیں مُردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے ربّ کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔'' (آلِ عمران: 169)

افسوس تو اِس بات کا ہے کہ شیطان کے ہم نوا اور بدنام لوگوں نے رحمان کے سپاہیوں اور پاک باز لوگوں کو تہہ تیغ کرڈالا اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے پاک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ تُو نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہ دھو پائے گا۔ اب تیری حکومت کے گنتی کے چند دن رہ گئے ہیں۔ تیرے سب ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اُس دن کی حسرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی نہیں بچے گا، جب منادی ہوگی کہ ظالم و ستم گر لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

مدینہ منوّرہ واپسی

یزید نے کچھ دن بعد ان خواتین کو ایک صحابیِ رسولؐ، حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی نگرانی میں اُنہیں مدینہ منوّرہ روانہ کردیا۔ سانحۂ کربلا اور اہلِ بیتؓ کے قافلے کی آمد کی اطلاع بھی موصول ہوچکی تھی، چنانچہ اہلِ مدینہ نے شہر سے باہر نکل کر قافلے کا استقبال کیا۔ نہایت پُرسوز منظر تھا، ہر شخص اشک بار تھا۔ قافلے میں شامل خواتین غم سے نڈھال تھیں۔ دوسرے دن حضرت زینب ؓ نے روضۂ مبارک پر حاضری دی اور درود و سلام کے بعد سانحہ کی روداد پیش کی۔

وفات

مؤرخین لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ مدینہ منوّرہ میں قیام کے بعد حضرت زینب ؓ اپنے شوہر اور بچّوں کے ساتھ شام چلی گئیں۔ 63 ہجری میں دمشق میں اُن کا انتقال ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خوفِ خدا

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کا فرمان ہے کہ:
''مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے گویا ایک پہاڑ جو اس پر گرا چاہتا ہے۔ جبکہ فاجر، گناہگار اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے گویا ایک مکھی اس کے ناک پر بیٹھی ہے جسے وہ یوں ہی اُڑا دے گا۔''

آج چہار جانب گناہوں سے لتھڑی خبروں کی آندھیاں، فسق و فجور سے متعفن فضائیں، سانس لینا دوبھر کیے دے رہی ہیں۔ ایک چرکے سے سنبھل نہیں پاتے کہ ایک اور اعصاب شکن وار چلا آتا ہے۔ سکینڈلوں کی بھرمار، معاشی، سیاسی تو ہم سہہ ہی رہے تھے، اب اخلاقی گراوٹ اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ کھول کھول کر بیان کی جا رہی ہے۔ تازہ ہوا کی تلاش میں پاکیزہ معاشرے کے اوراق کھول کر کچھ اسباق دہرانے کی ضرورت ہے۔ یہ گناہوں کی غلیظ بھنبھناتی مکھیوں کی یلغار سے بہت دور۔ گناہوں کو پہاڑ سمجھ کر لرزنے والوں کی حساس دنیا!

صحابہ کرام ؓ کے ہاں پاکیزہ ترین سعید روحین ایک ایک خطا پر کیسے تڑپ اُٹھتی تھیں دمکتے سیرت و کردار پر کہیں ایک چھینٹ پڑ جاتی تو کیا کیا جتن کرتے اسے دھونے دھلانے کو!

آیئے چند واقعات ان معطر فضاؤں سے لے کر اپنی سانسیں بحال کرنے کو تازہ کریں۔ اللہ تعالیٰ گناہ کے لیے ہماری حساسیت لوٹا دے۔

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ)) (الترمذی)

''اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا دے۔'' (آمین یارب العالمین)

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھا گیا۔ اللہ کی راہ میں جان و مال کی مسلسل قربانیاں دیتے مسلمان عمرہ کیے بغیر لوٹ جانے کو تھے۔ قرارداد جو لکھی جا رہی تھی وہ بظاہر دب جانے کا تاثر دے رہی تھی۔ سیدنا ابوجندل ؓ کے دردناک واقعے نے مسلمانوں کو مزید غمناک کر رکھا تھا۔ صحابہ کرام ؓ کرب میں مبتلا تھے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ رسول اکرم ﷺ کے پاس دفعات پر نظر ثانی کا مطالبہ لے کر گئے۔ معاہدے کی مخالفت کی۔ آپ ﷺ سے اس ضمن میں سوال کیے۔ وہ وقت سبھی پر کڑا اور صبر و ضبط کا شدید امتحان تھا۔ سیدنا عمر فاروق ؓ جیسے دینی غیرت، قوت و شجاعت کے پیکر کے لیے بالخصوص مشکل گھڑی ہو گئی۔ اس دن جو کہا۔ وہ دیگر صحابہ کرام ؓ کے احساسات کی بھی ترجمانی تھی۔ وقت نے صلح کی حکمت واضح کر دی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق بالآخر صلح حدیبیہ، فتح مبین ثابت ہوئی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ اپنی اس پس و پیش اور حضور اکرم ﷺ سے سوال و جواب پر تاعمر شرمسار رہے۔ فرمایا:

''میں نے اس دن جو کیا اور کہا تھا اس کے خوف سے برابر صدقہ کرتا ہوں۔ نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں اور غلام آزاد کرتا ہوں اس امید پر کہ یہ باعث خیر بن جائے۔''

ان سے خطا ہو جاتی تو بے قراری کا یہ عالم ہوتا کہ مغفرت کی خاطر مسلسل ہر نوع نیکی کرتے چلے جاتے۔

''اور جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور وہ اس سے اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو؟ اور وہ دانستہ کبھی اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔'' (آل عمران:135)

صحابہ کرام ؓ کے شفاف دامن پر ہلکی سی چھینٹ انہیں بے قرار کر دیتی۔ رسول اکرم ﷺ سے سوال و جواب (جس کا آپؐ نے نہایت تحمل اور حلم سے جواب دیا بھی) تازیست سیدنا عمر فاروق ؓ کو بے قرار کرنے کو کافی تھا۔ آج اسلام پر، ذاتِ پاک ﷺ پر گستاخ بے لحاظ لب و لہجے میں زبان و قلم دوڑاتے مسلمان کو دیکھیے اور خلیفہ راشد کے اسوہ پر نگاہ ڈالیے۔ جنہیں دنیا میں جنت کی بشارتیں مل گئیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے پروانے حاصل ہو گئے ان کے خوف کا عالم دیکھیے اور یہاں شانِ بے نیازی بھی ملاحظہ ہو۔ بلاشبہ:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (الفاطر:28)

''اللہ سے ڈرتے علم والے ہی ہیں!''

لفظ لفظ تول کر بولنے والے۔ اپنا احتساب کرتے رہنے والے اسی پاکباز گروہ میں سیدنا ابوحذیفہ ؓ بھی تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے بنو ہاشم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا کہ وہ بالجبر لائے گئے ہیں۔ اس پر عتبہ کے صاحبزادے سیدنا ابوحذیفہ ؓ نے بے اختیار کچھ کہہ دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے کنبے قبیلے والوں کو قتل کریں اور سیدنا عباس ؓ کو چھوڑیں۔ کہہ تو دیا لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ اطمینان رخصت ہو گیا۔ کہا کرتے تھے کہ مجھے برابر خوف لگا رہتا ہے کہ یہ میں نے کیا بات کہہ دی۔ اب صرف ایک صورت ہے کہ میری شہادت میرا کفارہ بن جائے۔ اور پھر بالآخر یمامہ کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ کے حضور بولا ہوا ایک جملہ زندگی بھر تڑپاتا رہا! اس کی تلافی کی خاطر شہادت کے متمنی رہے۔ آج شہادت خود خارج از نصاب ہو کر دہشت گردی قرار پا گئی! اور مسلمانوں نے یہ اصلاح قبول بھی کر لی!

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کو دیکھیے، جودوسخا کا عالم! جو اور جتنا آتا تقسیم کر دیتیں۔ ستر ہزار درہم آئے۔ سیدنا عروہ ؓ کہتے ہیں کہ وہیں ساری رقم اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ حالانکہ اپنا یہ حال تھا کہ کرتے کو پیوند لگا رہی تھیں۔ ایسے کئی واقعات مذکور ہیں۔ بھانجے سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ نے فیاضی کے اس عالم پر کہیں یہ کہہ دیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ سیدنا عائشہ صدیقہ ؓ کو معلوم ہوا تو اتنی غمگین ہوئیں کہ قسم کھا لی اب کبھی سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ سے بات نہیں کروں گی وہ میرا ہاتھ روکے گا؟ یہ قطع تعلق سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ پر بہت تکلیف دہ ہو گیا۔ بنی زہرہ کے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن الاسود ؓ سے بات کی کہ کسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرے میں داخل کروا دو۔ دونوں سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ کو ساتھ لے کر گئے اور اجازت چاہی۔ ام المومنین نہیں جانتی تھیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ

بھی ساتھ ہیں۔ اجازت ملنے پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پردہ ہٹا کر اندر چلے گئے اور معافی مانگی اور رونے لگے۔ دونوں حضرات نے بھی سفارش کی۔ اب سیدہ کو قسم توڑنے کا غم کھا رہا ہے۔ اب نذر کا کفارہ تو ایک غلام آزاد کرنا کافی تھا مگر خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ چالیس غلام آزاد کیے اور قسم توڑنے کا غم پھر بھی باقی رہا۔ یاد کر کے روتی رہتیں، اتنا کہ آنچل تر ہو جاتا! ان کے غموں کا محل دیکھیے اور آج کی عورت کے رونے دھونے ملاحظہ ہوں! پھر ہستی بھی وہ جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب ترین اور آپ کے رفیقِ عزیز کی نورِ نظر! یہ ہیں اپنی خطا کو پہاڑ کی مانند دیکھنے والے، ایک ایک خطا پر لرزاں ترساں۔

غزوۂ بنو قریظہ کے سلسلے میں سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ جو بنو قریظہ کے حلیف تھے ان کے پاس گئے۔ یہودی قبیلے والے اپنی بدعہدی اور غداری کے نتیجے میں جانتے تھے کہ مشکل میں پھنس چکے تھے۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر لپکے اور عورتیں بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی۔ یہود نے کہا۔ کیا آپ ؓ یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں! لیکن ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب تھا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ یہ ایک بے اختیار، اضطراری سا لمحہ تھا۔ لیکن انہیں فوراً احساس ہو گیا کہ یہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت ہے۔ اب کیا تھا۔ وہ سیدھے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے اور خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھالی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے اور آئندہ بنو قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھیں گے۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ مسلسل چھ راتیں ستون سے بندھے رہے۔ بیوی نماز کے وقت آ کر کھول دیتیں۔ نماز کے بعد پھر بند جاتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ کی قبولیت ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود آ کر انہیں کھولا۔ (کسی اور سے کھلنے پر راضی بھی نہ تھے!) (الرحیق المختوم) آج چہار جانب خوفناک، گھمبیر گناہوں کی چلتی گھٹا ٹوپ آندھیاں۔ اخبارات سوشل میڈیا کے کالے صفحات۔ ایسے جرائم جنہیں پڑھنے کا یارا بھی ہو۔ قوم کی بے حسی۔ عوام کی بے بسی۔ قانون انصاف گونگا بہرا، محافظ چیرہ دست۔ اہلِ سیاست صرف کرسی کے پھیر میں، معاشرتی اقدار، حیا، ناموس کو سنبھالا دینے کی فکر عنقا۔ اشتہاروں، فحش تصاویر سے اٹے اخبار و رسائل، در و دیوار۔

ہر کس و ناکس ہاتھ میں رنگین تختی تھامے اس کے سحر میں گم۔ آنکھیں گاڑے، منہ کھولے گرد و پیش سے بے خبر۔ ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ قبر کے گڑھے میں جا گرنے تک کی محویت۔

واٹس ایپ، واٹس ایپ کی گردان اور پس پردہ دامن چھڑاتا ابلیس:

﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾

(ابراہیم:22)

اب مجھے ملامت نہ کرو۔ وخود کو ہی ملامت کرو۔!

ہم کہاں سے چلے تھے کہاں آن پہنچے!

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیأٰت اعمالنا۔

”اللہ ہمیں ہمارے نفس کے شرور اور ہمارے اعمال کی سیاہیوں سے بچائے۔“

احساس کی دولت سے نوازے۔ (آمین)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوزِ صدیق ؓ دے!

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

”مسجد جامع القرآن گلشن سحر قاسم آباد، حلقہ حیدر آباد“ میں

26 ستمبر تا 02 اکتوبر 2021ء (بروز اتوار نمازِ عصر تا بروز ہفتہ نمازِ ظہر)

مبتدی و ملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔

رفقاء ان موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:-

☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ اسلام کا انقلابی منشور

زیادہ سے زیادہ احباب و رفقاء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں۔

اور

01 تا 03 اکتوبر 2021ء (بروز جمعہ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

امراء، نقباء ومعاونین تربیتی و مشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذمہ داران سے گزارش ہے کہ دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆ شہادت علی الناس و اقامت دین

زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء و نقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 2106187(022) 0300-2168072

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 35473375-78(042)

Kashmiris on the Verge of Being Swamped by Hindu Settler Colonialists

Tahir Mahmood

5 August 2021 marked another grim anniversary in the long struggle of the people of Indian occupied Jammu and Kashmir. Two years ago, the Indian fascist regime headed by Narendra Modi unilaterally abrogated articles 370 and 35A, abolishing the autonomous status of the state as well as opening the floodgates to non-Kashmiris, mostly Hindus, to settle there.

In the last two years, the Kashmiris' already grim plight has become worse. The issue for them is no longer the restoration of the abrogated articles, damaging as they are. Now they are struggling for their very survival. With more than two years of curfews and clampdowns, most people are literally on the verge of starvation. Their very survival is at stake. Their financial losses amounted to $5.3 billion in the first 10 months of lockdown. It is two years old.

The Modi regime has taken a leaf out of the Zionist occupiers' playbook in Occupied Palestine. It is implementing the same policy of forcible evictions and occupation of the Kashmiris' lands. Like the Zionists, the Hindu occupiers take over any area or locality by simply declaring it a 'sensitive security zone'. They have already taken over strategic mountain tops and golf courses declaring them militarily sensitive areas.

Large numbers of troops have been deployed there. In the midst of the pandemic, the Hindu settler-colonialists have embarked on a terrifyingly large troop movement into the most militarized region in the world that was already bristling with more than 900,000 occupation troops.

The two-year-long lockdown has meant that people have run out of provisions and their life's savings. Fruit growers that depended on this seasonal produce have been unable to tend to their trees and hence harvest them properly. Further, restrictions on movement have resulted in fruits that have been produced and harvested, rot before reaching the market.

People live in constant fear of being evicted by forcible seizure of their property. While the Kashmiris – Indigenous people of the land – are subjected to this terrifying policy of land grab in contravention of all international laws, Hindu settlers brought in from India are being accommodated. Hindu temples are springing up in localities where no Hindus have ever lived before. This clearly points to the policy of forced settlements to make the occupation permanent. In fact, ethnic-cleansing and ethnic-flooding are being pursued simultaneously in utter disregard of the international and UN-acknowledged status of Jammu and Kashmir as being "disputed area," where any such change is manifestly illegal.

The Hindu settler colonialists are pursuing a multi-pronged policy. The "security" pretext is used not only to bring in more troops but also to settle military personnel in strategic areas. Many are retired army personnel or bureaucrats that have in the past served in Kashmir and are, therefore, familiar with the local environment, geography and topography. They are also sufficiently desensitized to suffer any pangs of conscience in brutalizing the Kashmiris.

The other group comprises Hindu fascists of the Hindutva brigade. These Hindu fascists are determined to not only turn India into a

completely Hindu state with no place for any other religious minority, but also occupied regions like Jammu and Kashmir. Between April and December of 2020, more than 3.2 million non-Kashmiris, mostly Hindus have been settled in Kashmir, according to President Masood Khan of Azad Jammu and Kashmir. Since then, more non-Kashmiri Hindus have been settled.

The aim is clear: change the demography of the state and turn the Kashmiris into a minority. This is classic settler colonial policy. Can genocide be far behind, as feared by Genocide Watch two years ago? The nomadic Muslim tribal people, the Bakarwals and Gujjars, of Indian occupied Jammu and Kashmir are particularly vulnerable. They have already faced thousands of such motivated evictions.

The Modi regime has taken other steps to thrust more deeply the claws of occupation into the soil of Kashmir. Hindu entrepreneurs are flooding into the state for the purpose of investment but in reality, to make the occupation permanent. They are the regime's economic collaborators. Their investment is aimed at providing employment not to the Kashmiris but to the Hindu settlers.

The political step the Modi regime took in June was aimed at roping in Kashmiri collaborators to provide political legitimacy to the charade. At a meeting on June 24 Modi invited a few hand-picked pro-India Kashmiri politicians whose corruption is well-known to the people. During the clampdown that followed, all these collaborators were also thrown in jail. Since released from prison, the Modi regime called them to Delhi to advance the settler colonial agenda.

Modi's sidekick, Amit Shah, who hopes to succeed Modi was also present. Nothing of substance came out of the meeting. There was some talk about granting of statehood to Kashmir at some yet-to-be-determined time in the future. That is how far Modi was prepared to go. Even for such crumbs, these politicians were willing to bow to the Hindu fascist.

For politicians that have made a career and fortune out of collaboration with the occupiers, even this meeting was seen as a major achievement. This is the sad reality of the people of Kashmir. They are caught between a brutal occupation regime enforced through the bayonets and a bunch of Kashmiri collaborators who for a few crumbs, are prepared to sup with the devil.

<u>**Courtesy**</u>: ***https://www.icit-digital.org/***

انا للہ وانا الیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ حلقہ سرگودھا، میانوالی کے مبتدی رفیق سلطان اکبر کی والدہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت:0344-6880055

☆ حلقہ سرگودھا کی مقامی تنظیم شرقی کے ملتزم رفیق مولانا محمد عامر کی ساس وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت:0301-6701622

☆ حلقہ سرگودھا شرقی کے مبتدی رفیق عارف روانہ کے بڑے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت:0307-6711760

☆ حلقہ فیصل آباد میں منفرد اُسرہ گوجرہ کے رفیق عبدالرحمن کے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت:0306-6569055

☆ ملتان شہر کے معتمد محمد رمضان قادری کے بڑے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت:0321-7307700

☆ نیو ملتان کے رفیق محمد افضل حق کے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت:03336162750

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے ناظم دعوت برائے شمالی اضلاع محترم فیض الرحمن کے چچازاد بھائی وفات پا گئے۔ برائے تعزیت:0303-5363968

☆ حلقہ کراچی جنوبی کے معاون دفتر محترم محمد فہیم کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت:0334-3946824

☆ حلقہ کراچی شمالی، بلدیہ ٹاؤن کے معتمد جناب عبدالرزاق نیازی کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت:0308-21114383

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

Vol: 30 Regd. No. C.P.L NO.114 No.34

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore